تعمیرِ حیات
لکھنؤ

پندرہ روزہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقام و مرتبہ

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ صحابہؓ کے مختلف مراتب و درجات ہیں تو وہ ان کی قربانیوں اور سبقت فی الاسلام، فضل وتقدم، ایمان ویقین، ایثار و اخلاق اور اعمال کے تفاوت سے ہیں، یہ اللہ کا معاملہ ہے جس کے مقام کو چاہے بلند کرے، البتہ کسی ادنیٰ صحابی کا بھی مقابلہ بڑے سے بڑے ولی، عبادت گذار، مجاہد، متقی اور عظیم سے عظیم تر تابعی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اس شخص سے بھی نہیں کیا جاسکتا جنہیں زمانہ تو ملا مگر رؤیت کی بات حاصل نہ ہوسکی۔ فالغیب عند اللہ!

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر سبھی ایک ہی موقع پر ایمان لے آتے اور ایک ہی حال سے گذرتے یا غلطیاں نہ ہوتیں تو یہ بات نزول قرآن وشریعت سے ٹکراتی، یہاں تک کہ ارتداد اور اس کے بعد اس سے واپسی پر معافی یا تعزیرات وحدود والے معاملات پر ان کی تنفیذ، یہ سب دینی حکمت و مصلحت کا حصہ ہیں، مگر وہ سب اللہ کے ہاں مقبول اور دوسروں سے بہت اونچے مقام پر ہیں، اور جن صحابہ کو اقتدار ملا انہوں نے اس فریضہ کو قرآن وسنت کے مطابق انجام دینے کی کوشش کی، مگر وہ اس سلسلہ میں ہمیشہ خائف رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا، اور انہوں نے اپنے کو کبھی خلیفہ راشد کے طور پر پیش نہیں کیا، البتہ ان کے نظام حکومت میں سبھی نے امن واستحکام محسوس کیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔

صحابہ کرامؓ اور اہل بیت دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے، اور ان حضرات میں آپس میں بڑے احترام ولحاظ کی باتیں نظر آتی ہیں، دونوں کی محبت اہل سنت والجماعت نے جمع کی اور دونوں کا جو حق ہے وہ ادا کیا، البتہ جنہوں نے اس میں اعتدال کا راستہ چھوڑا، وہ ناصبیت وخارجیت یا رفض وشیعیت کی طرف چلے گئے اور جادۂ حق سے ہٹ گئے، ایسی باتیں مختلف حالات کے نتیجہ میں بار بار سامنے آتی رہتی ہیں جس کے لیے تواصی بالحق کا عمل ضروری ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سالانہ زرتعاون ₹400

۱۰ر ستمبر ۲۰۱۹ء

فی شمارہ ₹20

File F:\Graphic1.tif not found.

شعروادب

اُوروں کی وہ عظمت کیا جانیں کم ظرف جوانساں ہوتے ہیں

جگر مرادآبادی مرحوم

یہ صحنِ درویش ، یہ لالہ وگل، ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

منڈلاتے ہوئے جب ہر جانب طوفان ہی طوفاں ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں ، اور دست گریباں ہوتے ہیں

اس جہد و طلب کی دنیا میں کیا کارِ نمایاں ہوتے ہیں
ہم صرف شکایت کرتے ہیں ، وہ صرف پشیماں ہوتے ہیں

بیدار عزائم ہوتے ہیں ، اسرار نمایاں ہوتے ہیں
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں ، سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں

رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو ساقی نے کہا کس طنز سے آج
اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں ،کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں

تو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حصے میں نہیں
وہ کام جو آساں ہوتے ہیں ، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں

آسودۂ ساحل تو ہے مگر ، شاید تجھے یہ معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

یہ خون جو ہے مظلوموں کا ، ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں ، جو صرفِ بہاراں ہوتے ہیں

جو حق کی خاطر جیتے ہیں ، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقت شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

☆☆☆☆☆

اداریہ

نئے سال میں اپنے اعمال کا جائزہ لیں!

● ....شمس الحق ندوی

یہ محرم الحرام کا وہ مہینہ ہے، افق پر ابھرنے والے جس کے چاند نے بزبان حال یہ اعلان کیا کہ اے اپنے علم و ہنر، نئی نئی ایجادات اور سائنس کی ناقابل قیاس ترقی کر جانے والے انسانو! صدی دو صدی بلکہ (چودہ سو چالیس) سال گذر گئے، اس ذات گرامی کی ہجرت پر، جو یتیم پیدا ہوا تھا اور جوان ہو کر بھی وہ یتیم ہی رہا، قوم وقبیلہ کے وہی لوگ جن میں بڑے بڑے سردارانِ قریش اور رؤسائے مکہ شامل تھے، اس یتیم کو صادق و امین کے لقب سے نہ صرف پکارتے، بلکہ اپنی امانت اسی کے پاس رکھتے اور اس اعتماد کے ساتھ رکھتے کہ جیسے بہت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر کوئی چیز رکھ دی ہو جہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

لیکن اسی صادق و امین نے جب ان لوگوں کو جو وہم گمان کے بے شمار بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے یقین واعتماد اور ایک قادر مطلق ذات پر ایمان لانے کی بات کی تو سبھی کے تیور بدل گئے، بدل ہی نہیں گئے بلکہ اس پر اور جس نے اس کی بات مانی اور حقیقت اس کے دل میں اتر گئی، سب پر پتھر کی بارش ہونے لگی، جس کی انتہاء اس پر ہوئی کہ اپنا گھر بار، مال و جائیداد، اور سب سے عزیز و محبوب خانۂ خدا کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر مکہ سے نکلنا پڑا اور مدینہ منورہ کی قسمت جا گی، وہاں جا کر مقیم ہونا پڑا، یہ اتنا غیر معمولی واقعہ تھا کہ یہیں سے اسلامی تاریخ کا آغاز ہوا۔

ابتدائی عہد میں جو کچھ ہوا ہوا، لیکن اس پورے (۱۴۴۰) سالوں میں اب تک اس صدائے حق کے خلاف کس کس طرح کی سازشیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں، ان بے شمار سازشوں کے باوجود نبی کا نام و پیغام زندہ ہے اور زندہ رہے گا، شاعر کی زبان میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ:

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی
الجھنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اس نئے سال کے آغاز پر جائزہ ہم مسلمانوں کو لینا ہے کہ گذرے ہوئے سال میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا اور سال رواں میں ہم کو کیا کرنا ہے اور زندگی کے ان لمحات کو جن کے بارے میں قطعاً نہیں کہا جاسکتا کب تک حاصل رہیں گے، اس اگلی زندگی کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے جس کو سنوارنے کی راہ دکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، ہم غور سے کام لیں تو محسوس ہوگا کہ ہر آنے والا دن، طلوع ہونے والی ہر صبح بزبان حال کہہ رہی ہے کہ اے ابن آدم! میں لمحۂ تازہ ہوں اور میں تمہارے عمل پر گواہ ہوں، مجھ سے جو چاہو حاصل کر لو میں چلا گیا تو پھر قیامت تک دوبارہ نہیں آؤں گا۔

لہٰذا ہم کو اس نئے سال کا آغاز نئے عزم و ارادہ اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ کرنا ہے، یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم اپنی عارضی زندگی سے ہر لمحہ دور اور دائمی و ابدی زندگی سے ہر آن قریب ہو رہے ہیں، پھر کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جس زندگی سے برابر دور ہوتے جا رہے ہیں ساری توانائیاں اسی میں لگا دیں، ہم سنجیدگی اور غور و فکر سے اپنا جائزہ لیں، سوچیں اور غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جہاں سے دور ہو رہے ہیں،

File F:\Graphic1.tif not found.

ساری توجہ ادھر ہے اور جدھر جا رہے ہیں ادھر قدم تو چل رہے ہیں، نظر نہیں جا رہی ہے، شاعر نے اپنی زبان میں اس غفلت سے ان الفاظ میں متنبہ کیا ہے:

قدم سوئے مرقد ، نظر سوئے دنیا
کدھر جارہا ہے ، کدھر دیکھتا ہے؟

مالک کائنات نے اس عالم فانی کو دار الاسباب بنایا ہے، اس لیے بقدر ضرورت اور مطابق شریعت اس سے لگاؤ اور دلچسپی کوئی عیب نہیں اجر وثواب ہے کہ مالک حقیقی نے خود ارشاد فرمایا ہے: " فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" [جمعہ:۱۰] (پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو اور خدا کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ)۔

دوسری جگہ فرمایا: "وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" [مزمل:۲۰] (اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں)۔

لیکن اس سے اتنا لگاؤ اور اتنی دلچسپی کہ آقا کے حکموں کو بھلا کر اسی میں لگ جانا اور اتنا لگ جانا کہ حرام وحلال کا بھی خیال نہ رہے، حق تلفی، ظلم وزیادتی کے ساتھ اس میں لگ اور ڈوب جائے بڑے خطرے کی بات ہے، اگر ہم اپنی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثریت کا یہی حال ہے، نیا سال شروع ہونے کا دستور یہی ہے کہ دنیا کے ہر شعبہ کے لوگ گذرے ہوئے سال کا حساب لگاتے اور نفع ونقصان کا جائزہ لیتے ہیں، پھر نئے سال کا آغاز عزم وحوصلہ اور دور اندیشی ودور بینی کے ساتھ کرتے ہیں۔

تو ہمیں بھی یہ سوچ کر کہ اس فانی دنیا سے ایک سال دور اور باقی رہنے والی دائمی زندگی سے ایک سال قریب ہو گئے ہیں، جس دنیا سے قریب ہو رہے ہیں اس سے کتنے غافل اور جس سے دور ہو رہے ہیں اس میں کتنے منہمک اور ڈوبے ہوئے ہیں اس پر غور کرنا چاہیے، اور اعمال وکردار کا پورا جائزہ لینا چاہیے اور یوم الحساب سے پہلے اپنا حساب درست کر لینا چاہئے، اسی لیے ہم کو توجہ دلائی گئی ہے کہ "حاسِبوا قبل ان تحاسَبوا" حساب لیے جانے سے پہلے اپنا حساب درست کر لو کہ اس عالم فانی کا سب کیا کرایا آنکھوں کے سامنے آجائیگا، جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کر کے ہم کو آگاہ کیا ہے: "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَّرَهٗ" [زلزال:۷،۸] (تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)۔

اچھے برے عمل کا ذرہ ذرہ سامنے آجائے گا، دل ہلا دینے والی یہ وہ آیت ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ جن کی طرف مسلک حنفی کی روشنی میں مسلمانوں کی بڑی تعداد زندگی گذار رہی ہے، عشاء کی نماز میں ایک دن امام نے یہی آیت پڑھی تو امام صاحب پر ایسا خوف طاری ہوا کہ پوری رات گریہ وبکا میں گزار دی اس طرح کہ نمازیوں کے چلے جانے اور پھر صبح ہو جانے کا ہوش نہ رہا، صبح کو مؤذن نے نماز فجر کی اطلاع دی تب ان کو محسوس ہوا کہ رات گزر گئی، مؤذن سے کہا: ہماری اس کیفیت کی خبر دوسروں کو نہ کرنا۔

ہم ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیں کہ اب تک ہمارے اعمال نامہ میں کیا کیا لکھا گیا ہے اور آگے ہمیں اس کی تلافی کس طرح کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سال نو کے سفر کو اپنی مرضی کے مطابق طے کرنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

تربیت نبویؐ

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابۂ کرامؓ کی ایمانی تربیت وتکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ چستی وسستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لئے نکلے اور آپ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل وعیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لیے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس ومال، اولاد وخاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک وکفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی، پھر ہر امر ونہی اور ہر نئے حکم کے لیے مستقل کوشش اور جد وجہد کی ضرورت نہ رہی، اسلام وجاہلیت کے پہلے معرکہ میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لئے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے، اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کش مکش پیش نہ آئی، جس بات کا آپ فیصلہ فرما دیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لئے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے ڈھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے ،نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفسوں سے ویسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردان آخرت، اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اتراتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔

تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کے اسباب

مسلمانوں کی طبیعتوں کا یہ زبردست انقلاب جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست مبارک پر انجام پایا اور مسلمانوں کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں پیش آیا، انسانی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ تھا، اس انقلاب کی ہر چیز نرالی اور انوکھی تھی، اس کی سرعت، اس کا عمق، اس کی وسعت وہمہ گیری، اس کی وضاحت اور فہم انسانی سے قرب، یہ سب اس محیر العقول واقعہ کے نرالے پہلو تھے، یہ انقلاب دوسرے خارق عادات واقعات کی طرح کوئی پیچیدہ مسئلہ یا

File F:\Graphic1.tif not found.

نا قابل فہم معمہ نہ تھا، علمی طریقے سے اس انقلاب کی تحقیقات کیجیے تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیجیے۔

ایمان اور اس کے اثرات

تمام لوگ خواہ عرب ہوں یا عجمی نہایت مسخ شدہ زندگی گزار رہے تھے، ہر وہ ہستی جو ان کے لیے وجود میں لائی گئی تھی، اور جو ان کے تصرفات کے تابع تھی، امر و نہی، سزا و جزا کی طاقت سے محروم تھی، اس کی وہ پرستش کرنے لگے تھے، وہ بالکل ایک سطحی اور اتھلی مذہبیت رکھتے تھے، جس کا زندگی میں کوئی اثر اور ان کے طبائع اور ارواح اور قلوب پر کوئی اقتدار نہ تھا۔

اخلاق و معاشرت اس مذہبیت سے ذرا متأثر نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی ہستی ان کی نگاہوں میں ایسی تھی جیسا کہ ایک کاریگر اپنا کام پورا کر کے کنارہ کش اور گوشہ نشین ہو گیا ہو، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت ان لوگوں کے حوالے کر دی تھی جن کو اس نے خلعت ربوبیت سے سرفراز کیا تھا، اب وہ حکومت پر قابض اور سیاہ و سفید کے مالک تھے، غذا کی تقسیم، ملک کا نظم و نسق ان کے اختیار میں تھا، غرض ایک منظم حکومت کے جتنے شعبے اور محکمے ہوتے ہیں وہ سب ان کے انتظام میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان ایک تاریخی واقفیت سے زیادہ نہ تھا، اللہ کو پروردگار سمجھنا اس کو زمین و آسمان کا خالق ماننا ایسا ہی تھا جیسے تاریخ کے کسی طالب علم سے پوچھا جائے کہ یہ قدیم عمارت کس کی تعمیر ہے؟ وہ جواب دے کہ فلاں بادشاہ کی! اس بادشاہ کے نام سے اس کے قلب پر خوف و ہراس کی کوئی لہر نہ دوڑے، نہ اس کے دماغ پر کوئی اثر پڑے، ان لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور تضرع و دعا سے خالی تھا، اللہ کی صفات سے وہ بالکل بے خبر تھے، اس لیے ان کے دل میں اس کی محبت کا کوئی جذبہ اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی نقش نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کو بہت مبہم، مجمل اور عامیانہ سا علم تھا، جس میں کوئی گہرائی اور قوت نہ تھی۔

یونانی فلسفہ نے خدائے تعالیٰ کی ذات کے تعارف کے سلسلہ میں زیادہ تر نفی سے کام لیا، اس نے صفات کی نفی کی اور نفی کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثبت تعریف اور کوئی ایجابی صفت نہیں ہے، نہ اس کی قدرت کا ذکر آتا ہے، نہ اس کی ربوبیت، اس کی بے پایاں بخشش، اس کی محبت و رحمت کا تذکرہ ہے، اس فلسفہ نے خلق اول کو تو ثابت کیا تھا، لیکن علم و اختیار و ارادہ اور صفات کی نفی کی اور اپنی طرف سے ایسے کلیات و اصول وضع کئے جو اس ذات عالی کی تنقیص اور مخلوقات پر قیاس تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر سیکڑوں نفی ہو جائیں تو ایک ایجاب کا بھی فائدہ نہیں دے سکتے۔

ہمارے علم میں آج تک ایسا کوئی نظام، ایسا کوئی تمدن اور ایسی کوئی سوسائٹی وجود میں نہیں آئی جو محض نفی پر قائم ہو، یونانی فلسفہ کے حلقۂ اثر میں دین و مذہب، خشوع و تضرع، حوادث میں رب العالمین کی طرف توجہ قلب، محبت و الفت کی روح سے یکسر خالی تھا، اسی طرح اس دور کی مذہبیت روح کھو بیٹھی اور صرف چند بے روح رسمیں اور ایمان کی بے جان نقلیں دنیا میں رہ گئیں۔

مسلمان امت اور عرب قوم اس بیمار، غیر واضح اور بے جان معرفت سے نکل کر ایک ایسے واضح اور عمیق عقیدہ تک پہنچ گئی جو قلب و نفس و جوارح پر قابو یافتہ تھا، معاشرت کو متأثر کرنے والا زندگی اور متعلقات زندگی پر حاوی تھا، وہ لوگ اس خدائے قدوس پر ایمان لائے جس کے بہترین نام ہیں، جس کی شان سب سے اونچی ہے، وہ لوگ ایسے رب العالمین پر ایمان لائے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کا تنہا مالک و مختار ہے، شہنشاہ پاک ہے:

" هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ". [سورۃ الحشر: ۲۲-۲۴] (وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خرابی کا درست کر دینے والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود ہے، پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے)۔

جو اس کارخانۂ عالم کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور چلانے والا بھی، جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالم کی باگ ڈور ہے، جو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا جنت اس کا انعام ہے اور دوزخ اس کی سزا، جس کے لیے چاہتا ہے، رزق میں کشائش کرتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ اشیاء سے واقف ہے آنکھوں کی چوریوں اور

File F:\Graphic1.tif not found.

دلوں کے اسرار خوب جانتا ہے جو سراپا جمال ، سراپا جلال، سراپا کمال اور محبت ورحمت ہے۔

اس گہرے وسیع اور واضح ایمان سے ان لوگوں کی نفسیات عجیب طرح تبدیل ہوگئیں، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور "لاالہ الا اللّٰہ" کی گواہی دیتا اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا، ایمان اس میں پیوست ہوجاتا، یقین رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا اور اس کے جسم میں خون و روح کی طرح دوڑ جاتا، جاہلیت کے جراثیم کو ختم کر دیتا اور اس کی جڑوں کو اکھاڑ کے پھینک دیتا، دل و دماغ اس کے فیضان سے معمور ہوجاتے اور وہ شخص پہلا آدمی باقی نہ رہتا، اس شخص سے صبر وشجاعت ایمان ویقین کے ایسے حیرت انگیز واقعات رونما ہو تے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور فلسفہ وتاریخ اخلاق انگشت بدنداں ہیں، قوتِ ایمان کے سوا کسی اور چیز سے اس کی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

احتساب نفس اور ملامتِ ضمیر

یہ ایمان ایک کامیاب اخلاقی مدرسہ اور نفسیاتی تربیت تھی جو طالب علم کو اعلیٰ درجہ کی قوتِ ارادی محاسبۂ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کی قوت عطا کرتی، تاریخ میں کسی دوسری طاقت کا سراغ نہیں ملتا، جو نفس کے ترغیبات اور اخلاقی لغزشوں پر اس کامیابی کے ساتھ فتح حاصل کرلیتی۔

اگر کسی وقت صفت بہیمی زور کرتی اور انسان سے غلطی سرزد ہوجاتی، اور یہ ایسا موقع ہوتا جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور وہ شخص قانون کی دسترس سے باہر ہوتا تو یہی ایمان نفس لوامہ بن جاتا، دل کی پھانس چین نہ لینے دیتی، پریشان کن خیالات کا سیلاب امنڈنے لگتا، اس گناہ کی یاد میں چین حرام ہوجاتا، حتی کہ وہ شخص خود قانون کے سامنے اقرار جرم کرتا اور سخت سے سخت سزا کے لیے اپنے کو پیش کر دیتا اور پھر اس سزا کو برضا و رغبت جھیلتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی جگہ دنیا کی سزا لے لے۔

ہمارے سامنے معتبر مؤرخین نے اس سلسلہ میں اسلامی تاریخ کے ایسے عجیب وغریب واقعات پیش کیے ہیں جن کی نظیر اسلام کی دینی تاریخ کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتی، ان ہی واقعات میں سے ماعز بن مالک اسلمی کا واقعہ بھی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی جامع صحیح میں نقل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ مجھ سے خطا ہوئی ہے، میں زنا کا مرتکب ہوگیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو پاک کروادیں آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں زنا کا مجرم ہوں آپ نے دوبارہ پھر واپس کر دیا اور ان کے گھرانے سے دریافت کرایا کہ ان کی سمجھ میں کسی قسم کی کوئی خرابی تو نہیں یا کوئی عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اور اچھے خاصے آدمی ہیں، پھر تیسری بار ماعزؓ بن مالک آئے، آپ نے دوبارہ دریافت کرایا جواب یکساں ملا، چوتھی بار جب وہ آئے تو آپ نے نصف دفن کروا کر سنگسار کردینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد غامدیہؓ آئیں کہنے لگیں یا رسول اللہ مجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہوگئی ہے طاہر کروادیجیے، آپ نے ان کو واپس کر وادیا، دوسرے روز پھر آئیں اور کہنے لگیں "آپ ہمیں کیوں واپس کرتے ہیں، شاید اسی طرح جس طرح کہ ماعز کو واپس کرتے تھے، ہاں میں حاملہ بھی ہوں" آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ جب ولادت ہو جائے تو آنا، ولادت سے جب فارغ ہوئیں تو پھر آئیں، لڑکا کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، کہنے لگیں یہ میرا بچہ ہے آپ نے فرمایا جاؤ دودھ پلاؤ جب کچھ کھانے لگے تو لانا جب دودھ چھڑایا تو پھر آئیں، لڑکے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگیں، اے اللہ کے نبی لیجیے میں دودھ پلانے سے بھی فارغ ہوگئی اور یہ کھانا بھی کھانے لگا، آپ نے لڑکا ایک مسلمان کے سپرد کیا، حد قائم کرنے کا حکم فرمایا، ان کے سینہ تک گڑھا کھودا گیا اور آپ نے حکم فرمایا، لوگوں نے سنگسار کردیا، خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر مارا تو خون کی چھینٹیں ان پر آکے پڑیں تو انہوں مذمت کے لفظ کہے، آپ نے یہ الفاظ سن لیے اور فرمایا "ہائیں خالد، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ چنگی والا کرتا تو بخش دیا جاتا" پھر آپ نے حکم دیا نماز پڑھی گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ [صحیح مسلم، کتاب الحدود]

امانت و دیانت

یہ ایمان انسان کی امانت، اس کی پاکیزگی اور شرافت کا محافظ تھا، خلوت وجلوت میں جہاں کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور ایسی جگہ جہاں آدمی کا پورا اقتدار اور اختیار ہوتا اور کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہ تھی، یہ ایمان نفس کی ترغیبات اور خواہشات پر پورا قابو رکھتا، اسلامی فتوحات کی تاریخ میں دیانت وامانت واخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیریں نہیں مل سکتیں، یہ صرف ایمان راسخ اور اللہ کے دھیان اور ہر موقع ومحل پر اس کے علم کے استحضار کے نتائج تھے۔

تاریخ طبری کی روایت ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تو ایک شخص

File F:\Graphic1.tif not found.

اپنے حصہ کا مال غنیمت لایا اور خازن کے سپرد کر دیا، لوگوں نے کہا ایسا قیمتی سامان تو دیکھنے میں نہیں آیا ہمارے پاس جو مال ہے اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں ان لوگوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے اس سے کچھ لیا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تم کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی، ان لوگوں نے اندازہ کرلیا کہ یہ معمولی شخص نہیں، انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں یہ نہیں بتا سکتا اس لیے کہ تم تعریف کروگے، سب تعریف اللہ کی ہے، اسی کے ثواب پر میں راضی ہوں، جب وہ واپس ہوا تو لوگوں نے ایک آدمی پیچھے کر دیا کہ معلوم کرو کون ہے، معلوم ہوا کہ عامر ان کا نام ہے، اور عبد قیس قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔ [تاریخ طبری: ج۴/ص۱۶]

مخلوقات ومظاہر سے بے رُعبی

توحید کے عقیدہ نے ان کا سر اونچا اور گردن فراز کر دی تھی، کیا مجال تھی کہ غیر اللہ کے سامنے یا جابر بادشاہ کے آگے، یا کسی عالم و درویش یا دینی یا دنیوی سردار کے سامنے ان کی گردن خم ہو، اس ایمان نے ان کے دل ونظر کو خدائے تعالیٰ کی عظمت سے معمور کر دیا تھا، مخلوقات کا حسن وجمال دنیا کی دل فریبیاں، شان وشوکت کے مظاہرے ان کی نظر میں ہیچ تھے، وہ جب ملوک وسلاطین اور ان کے جاہ وحشم، کروفر اور ان کے درباروں کی سجاوٹ اور زیب وزینت پر نظر ڈالتے اور یہ دیکھتے کہ یہ سلاطین اسی میں خوش ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا کہ چند بے جان مجسمے یا مٹی کی مورتیں ہیں جن کو انسانی لباس سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں، جب ہم نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کا دربار لگا تھا، دائیں جانب عمرو بن العاص، بائیں جانب عمارہ تھے، مذہبی پیشوا دو رویہ بیٹھے تھے، عمرو اور عمارہ نے بادشاہ سے کہا کہ یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے، پادریوں نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو، حضرت جعفرؓ نے برجستہ جواب دیا کہ ہم صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ [البدایہ والنہایہ]

حضرت سعدؓ نے رستم کے پاس جو کہ ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا ربعی بن عامرؓ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، ربعی بن عامرؓ پہنچے تو دربار فرش فروش سے آراستہ تھا، رستم یاقوت اور بیش بہا موتی زیب بدن کئے لباس بیش قیمت پہنے، تاج سر پر رکھے سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ربعی بن عامرؓ پھٹے پرانے لباس میں پہنچے مختصر سی ڈھال، چھوٹا سا گھوڑا یہ ان کی حیثیت تھی، وہ گھوڑے پر سوار فرش کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے اور پھر گھوڑے سے اترے، قیمتی گاؤ تکیہ سے گھوڑا باندھ دیا، اور خود رستم کے پاس جانے لگے، آلات حرب ساتھ، سر پر خود، جسم پر زرہ بھی موجود تھی، لوگ بولے، جنگی لباس تو اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلایا گیا ہے، اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، وہ اسی فرش پر نیزے سے سہارا لیتے ہوئے بڑھے نیزے کی نوک نے فرش کو جا بجا سے کاٹ دیا، لوگ بولے تمہارا کیسے آنا ہوا، بولے ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں، اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں، اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔ [البدایہ والنہایہ]

بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حقارت

آخرت کے عقیدے نے مسلمانوں کے قلوب میں ایسی دلیری بھر دی تھی جو بالکل خارقِ عادت تھی، ان میں جنت کا عجیب وغریب شوق اور زندگی کی تحقیر پیدا کر دی تھی، جنت کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے اس طرح کھنچ جاتا تھا، جیسے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں وہ اس طرح جنت کی جانب لپکتے تھے جیسے نامہ بر کبوتر اپنی اڑان میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنی منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔

معرکۂ احد میں جب کہ بہت سے مسلمان میدان چھوڑ چکے تھے، حضرت انس بن نضرؓ بڑھے انہوں نے سعد بن معاذ کو سامنے دیکھا تو کہنے لگے اے سعد بن معاذؓ خدا کی قسم جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے اسی طرف سے آرہی ہے، انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اسّی سے زیادہ زخم ان کے جسم پر پائے کچھ تلوار کے تھے کچھ نیزے کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے، ہم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ مشرکین نے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، جس کی وجہ سے سوائے ان کی بہن کے جنھوں نے ان کو انگلی کے پور سے شناخت کیا اور کوئی نہ پہچان سکا۔ [بخاری ومسلم]

بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا بڑھو اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین وآسمان ہے، تو عمیر بن حمام انصاری نے کہا یا رسول اللہ اس کی وسعت زمین وآسمان ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم کو شک ہے، کہنے لگے نہیں یا رسول اللہ میری یہ تمنا تھی کہ میں اس کو پالیتا، آپ نے فرمایا ہاں ہاں پالوگے وہ چند دانے کھجور نکال کر کھانے لگے، پھر بولے اگر ان کھجوروں کے کھا لینے کا انتظار کروں گا تو بہت سا وقت لگے گا پھر تمام کھجور الگ پھینکے اور میدان میں کود پڑے اور شہادت پائی۔ [صحیح مسلم]

ابوبکر بن ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ میرے والد دشمن کے مقابل تھے ،اور فرمارہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں، یہ سن کرایک شخص اٹھا اس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اس نے کہا ابو موسیٰ تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، انہوں نے جواب دیا ہاں، وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس نے کہا میرا اسلام قبول ہو اور تلوار کا پرتلا توڑ کر ڈال دیا اور تلوار لے کر دشمن کے مقابلہ میں آ گیا اور شہادت پائی۔[صحیح مسلم]

عمرو بن جموح کے چار بیٹے تھے، اوران کے خود کہ پیر میں لنگ تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف لے جاتے تو وہ بیٹے آپ کے ہمراہ جاتے جب آپ غزوۂ احد کے لئے تشریف لے جانے لگے تو عمرو بھی ساتھ ہونے لگے ان کے بیٹوں نے سمجھایا کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو زیادہ اچھا ہے اور ہم تو آپ کی طرف سے کافی ہیں ہی، اللہ نے جہاد آپ پر سے ساقط کردیا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ یہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ہمراہ نکلنے سے روکتے ہیں اور بخدا میری یہ تمنا ہے کہ میں اپنے اسی معذور پاؤں سے جنت میں چلوں، پھروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو جہاد سے معاف فرمادیا ہے، دوسری طرف ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ جانے کیوں نہیں دیتے شاید شہادت اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے اور شہادت پائی۔

[زادالمعاد: ج۲/ص۱۹]

شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہوگیا اور کہا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کا خیال رکھنا، خیبر کا معرکہ پیش آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس میں اعرابی کا بھی حصہ لگا کر صحابہ کے سپرد فرمایا، یہ اعرابی سب کے جانور چرایا کرتا تھا جب شام کو لوٹ کر آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالہ کردیا اس نے کہا یہ کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا حصہ لگایا تھا، اس نے لے لیا اور لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارا حصہ ہے، وہ بولا میں اس لیے آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے رفاقت اختیار کی تھی کہ اس جگہ تیر لگے اور اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تاکہ میں جنت میں جاسکوں آپ نے فرمایا اگر خدا سے تیرا معاملہ سچا ہے تو خدا بھی تیری یہ آرزو پوری کردے گا، جب جنگ ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس کو شہید پایا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا، اللہ نے بھی اس کو سچا کردیا۔[زادالمعاد]

☆☆☆☆☆

عزیزی مولوی سید حماد حسینی ندوی صاحب سلمہ اللّٰہ تعالیٰ وعظم أجرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج یہ خبر صاعقہ اثر سن کر طبیعت پر بڑا اثر پڑا کہ عزیز مکرم مولوی سید محمد یٰسین منصوری پوری صاحب نے مختصر علالت کے بعد وفات پائی، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، اذاجاء اجلهم فلایستاخرون ساعة ولا یستقدمون.

ہم سب اللہ کی امانت ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جب تک رکھا یہ اس کا فضل تھا اور ہمارے لیے استفادہ وانتفاع کا موقع تھا جو وفات کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب اور ان کے تعلق کے کاموں اور تعلق والوں کی قدر سے بڑی نیکی اور تقریب الی اللہ کے عمل کے طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے، ان کا ہم سب کے ساتھ جو محبت و تعلق کا معاملہ تھا وہ کہاں بھلایا جاسکتا ہے، پھر رشتہ داری کا تعلق مستزاد، اس کا وہ خیال رکھتے تھے، پھر یہ کہ انہوں نے ہمارے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کچھ تعلیمی وقت بھی گذارا تھا اور اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے اگرچہ زیادہ وقت نہیں گزار سکے تھے مگر تعلق میں کوئی کمی نہیں آنے دی اور آنے جانے کا سلسلہ جاری رکھا، پھر آں عزیز کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم دلائی اور دین وعلم کی خدمت میں لگایا۔

وہ اپنے برادر مکرم مولانا سید محمد طاہر صاحب کے پاس آتے تو ہم لوگوں سے بھی بڑی محبت وخلوص سے پیش آتے اور دوآبہ کے سفر میں منصوپور کا نظام بنتا تو ان سے اچھی ملاقات ہوتی تھی، اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی نیکیاں اور نقوش ہمارے درمیان ہیں، اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ خصوصی مغفرت کا معاملہ فرمائے اور سبھی پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

والسلام

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

نجوم تاباں

انسانی تاریخ کی قدسی جماعت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صحابہ کرامؓ کی جماعت انسانی تاریخ میں اپنی ایمانی کمیت اور کیفیت دونوں کے اعتبار سے منفرد جماعت گزری ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے آخری اور مثالی شخصیت رکھنے والے نبی نے اس طرح تربیت دی کہ زندگی کے تمام پہلوں میں ایمان رچ بس گیا تھا اور یاد الٰہی کی وہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ فرشتوں جیسے اعمال ظاہر ہوتے تھے، لیکن انسان کو اس کے پروردگار کی طرف سے دنیا اور دین کے درمیان جامعیت اور دنیاوی امور میں اپنی پسند کو تابع بنانے اور تابع نہ بنانے کی جو صلاحیت دی گئی ہے وہ صلاحیت فرشتوں کو نہیں دی گئی ہے، اسی طرح انسانوں کو امتحان سے گزارا گیا اور تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں کو اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی طرف برابر توجہ دلائی گئی اور اس کامیابی میں بڑے انعام واکرام کا وعدہ فرمایا گیا، توجہ دہانی کا یہ کام انبیاء علیہم السلام برابر کرتے رہے، آخری نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایسی تلقین کی اور ان کی ایسی تربیت کی کہ اس امتحان میں انہوں نے کامیابی کی مثال قائم کردی اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم وارادہ سے ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الرسل اور تمام اہل ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ بنائے جانے کا نتیجہ اور علامت بنا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلہ میں محنت کامیاب اور وسیع اثر رکھنے والی نہ ہوتی تو آپ خاتم الرسل اور اسوۂ حسنہ کیسے قرار دئے جاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید وایمان کی دعوت اس طریقہ سے دی کہ جس نے بھی توجہ سے سنا بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس پر اس کا ایمان مستحکم ہوگیا۔ آپ کا اخلاقی، انسانی ہمدری اور محبت بھرا انداز بھی ایسا تھا کہ جس نے بھی قریب سے دیکھا اور سنا وہ صرف متاثر ہی نہیں ہوا، بلکہ دل وجان سے آپ کا کہنا ماننے والا بن گیا اور آپ پر فدا ہونے کے لئے تیار ہوگیا اور یہ حالت صرف دو چار آدمیوں کی نہیں ہوئی، بلکہ جس نے بھی آپ کو دیکھا سنا اور سمجھا اس کی یہی کیفیت ہوگئی، اس طرح آپ کی دعوتی زندگی کی ۲۳؍سالہ مدت میں ایمان والوں کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، یہی جماعت آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی پوری نیابت کرنے والی بن گئی، اس پر اس کام کو چلاتے رہنے کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس ذمہ داری کو اس نے پوری دیانت وامانت اور مکمل توجہ سے انجام دیا، اس کے سامنے اللہ کی خوشنودی اور حضور کی محبت اور آخرت کا مسئلہ تھا جس کو ان لوگوں نے دل وجان سے قبول کیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بھی ایمان لاتا خواہ امیر ہوتا یا غریب، معزز خاندان کا ہوتا یا کمزور پوزیشن کا، اس میں ایسا ہی پختہ ایمان پیدا ہوجاتا۔

یہ ایمان زیادہ تر دو اسباب سے پیدا ہوتا تھا: ایک سبب اللہ تعالیٰ کا کلام معجز بیان تھا جس کو ایک بار بھی سن لینے سے آدمی کا دل بدل جاتا تھا، دوسرا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شفقت کو قریب سے دیکھ لینا تھا، قرآن مجید سن کر ایمان لانے والوں کی تعداد بھی خاصی تھی اور آپ کے اخلاق وبات چیت سن کو کر متاثر ہونے والوں کی تعداد بھی خاصی تھی، آپ سے متاثر ہونے کی ایک مثال ثمامہ بن اثال کا واقعہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دشمنی بلکہ آپ کو نقصان پہونچانے کی نیت سے آئے، لیکن ملتے ہی بدل گئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! قسم ہے خدا کی کہ سارے عالم میں مجھ کو آپ سے زیادہ کسی اور سے اتنی نفرت نہ تھی، لیکن اب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ [صحیح مسلم]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا حال آپ کی محبت اور تربیت سے ایسا ہی بن گیا کہ انکے دلوں میں ایمان لاتے ہی اس طرح کی محبت اور فدائیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور پھر آپ کی رہنمائی اور تعلیم وتلقین سے زندگی کے اعلیٰ حقائق سے واقفیت اس درجہ پیدا ہوجاتی کہ ان کو دین کی نصرت اور اپنے رب کے لیے فدائیت میں اعلیٰ مقصد کے لیے جاں نثار کردینے میں ادنی تکلف نہ ہوتا، اور اپنے معلم اور قائد نبی مکرم کے حکم پر بے تکلف اپنی جان نثار کردینے کے لیے تیار ہوجاتے، اپنی مرضی اور خواہش میں خواہ کتنا سخت رہے ہوں آپ کی مرضی کے سامنے اس کو بالکل نظرانداز کر دیتے اور آپؐ کی مرضی کے مطابق عمل کرتے۔

چنانچہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اس نے اسی بات کا ثبوت دیا، اس کی ایک

بڑی مثال صلح حدیبیہ میں صحابہ کرامؓ کا قریش کی ظالمانہ شرائط کا قبول کرلینا اور آپ کی مرضی کے سامنے جھک جانا ہے اور غزوۂ خندق میں ۳ ر ہفتوں سے زیادہ فقرو فاقہ اور سخت سردی کی حالت میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے جمے رہنا ہے اور غزوۂ احد میں جب دشمن شکست کھا کر بھاگنے لگے اور یہ دیکھ کر پہاڑی پر مقرر حفاظتی دستہ کے افراد میں سے اکثر نیچے اتر آئے اور دشمن نے موقع مناسب سمجھ کر پلٹ کر حملہ کردیا اور مسلمان فوج منتشر ہونے لگی اور تھوڑے وقت کے لیے افراتفری کی صورت بن گئی تو آپ کے گرد حضرت ابوبکر وحضرت عمر جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جم کر مقابلہ کرنے لگے اور آپ کو دشمن سے بچانے کے لیے دسیوں جاں نثار صحابہ آپ کے سامنے آگئے اور دشمنوں کے وار اپنے سینوں پر لئے اور سارے زخم برداشت کئے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں اور آپ پر قربان ہوگئے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ سامنے کردیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا، یہاں تک ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہوگئیں اور ہاتھ مفلوج ہوگیا، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ باہر آگیا، حضرت ابودجانہ ڈھال بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے تیر ان پر گرتے رہے، لیکن وہ اسی طرح آپ پر جھکے رہے یہاں تک ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہوگئی۔

[سیرت ابن ہشام: ج۲/ص۴۱۷]

غزوۂ احد کے بعد مسلمان مدینہ پہونچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پران کا گزر ہوا، جس کے باپ، بھائی اور شوہر سب اس معرکہ میں کام آگئے تھے، باری باری تین حادثوں کی صدا ان کے کانوں میں پڑی تھی، لیکن وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا: بخیر ہیں، انہوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں: "کل مصيبة بعدك جلل" (آپ کے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں)۔

[سیرت ابن ہشام: ج۲/ص۹۹]

جب کفار قریش زید بن الدثنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لائے تو ابوسفیان نے ان سے کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں؟ زید نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کرتے ہیں۔

[سیرت ابن ہشام: ج۲/ص۱۷۴]

جو شخص بھی چند منٹ کے لیے ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا وہ آپؐ پر سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار ہوجاتا، سوائے ان بعض لوگوں کے جو مدینہ میں بسے یہودیوں کے دوست ہونے کی بنا پر بطور سازش اپنے کو مسلمان دکھانے کو اختیار کیا اور منافقین کے زمرہ میں شامل ہوگئے، وہ اپنے دوستوں اور یہودیوں کے پاس جا کر اپنی اصلی حالت کے مطابق کفر کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کے سامنے ظاہر میں اپنے کو مسلمان دکھاتے اور جہاد میں جانے کا موقع آتا تو کوئی بصورت بہانے کرکے اپنے کو خطرہ میں پڑنے سے بچا لیتے، وہ اپنی اسی حرکت کی بنا پر منافق کی حیثیت سے پہچان لیے جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ان کے نام بھی بتادئے گئے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف کارروائی اس لیے نہیں کی کہ غیروں کی نظر میں آپ کے عمل کے بارے میں بدگمانی نہ ہو، کیونکہ وہ ظاہر میں اپنے کو مسلمان بتاتے تھے ورنہ مکہ سے آئے ہوئے اور مدینہ منورہ کے بقیہ سب لوگ آپ پر فدا تھے اور ہر حکم کو بغیر کسی چوں چرا قبول کرتے تھے اور جو منافق تھے ان کی طرف سے خطرہ کے موقع پر بہانہ بازی اختیار کرتے رہنے سے وہ عام طور پر سب کی نگاہوں میں آگئے تھے، قرآن مجید میں ان کی نشاندہی بھی کردی گئی تھی اور ایمان وعزیمت والوں کا ذکر قرآن مجید میں بہت اعلی اسلوب میں کیا گیا: "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً [سورہ فتح:۲۹]۔ (محمد، اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھا گا کہ رکوع اور سجدہ کررہے ہیں، اللہ تعالی کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے

ہے، ان کی یہی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالی نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے]۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور صحبت سے صحابہ کرام کی جو جماعت بنی وہ ایمان اور محبت رسول اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی میں ناقابل تسخیر پہاڑ کی طرح تھی اور بتدریج اتنی بڑی تعداد میں یہ جماعت تیار ہوئی کہ تاریخ انسانی میں صالح ترین اور پختہ ایمان اور دین میں پختگی رکھنے والی اتنی بڑی جماعت ہونے کی مثال نہیں ملتی اور یہ دراصل اللہ تعالی کی طرف سے تھا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں، اور آپ کی صحبت اور رہنمائی حاصل کرنے والوں کی جماعت کو ایسے صفات اور کردار کا بنادیا کہ وہ نبوت کی پوری نیابت کرتے ہوئے اس دین کو اور اعلی انسانی صفات کو آگے بڑھائیں، اس کے افراد میں سے ہر ایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں تصدیق بھی کی، فرمایا: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" یعنی میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی اتباع کروگے ہدایت پر رہوگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جتنا زیادہ قریب رہا اس کو اتنی زیادہ اولیت حاصل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رہے، کہ جن سے آپ کی رفاقت اور دوستی نبوت سے پہلے سے تھی، وہ تقریبا آپ کے ہم عمر تھے، صرف دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس دین اسلام کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری سب سے پہلے آپ کو ملی اور آپ خلیفۂ اول ہوئے، پھر اسی ترتیب سے آپ کے بعد تین دیگر خلفاء ہوئے جو آپ کے سچے جانشین ہوئے اور خلفائے راشدین کہلائے، ان سب کے ذریعہ خلافت راشدہ یعنی اعلی معیار کی خلافت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۳۰/سال تک جاری رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ جو اخلاق وصفات اور زندگی کی مختلف ذمہ داریوں میں جو طریقۂ عمل اختیار کیا تھا اور اپنے صحابہ کو اس کی تربیت دی تھی اس کے مطابق اسلامی دستور حیات کو صحابہ کرام کے ذریعہ بے کم وکاست جاری کیا جاتا رہا جس کے ذریعہ آئندہ کے لئے اعلی نظیر بن گئی اور دین صحیح کا راستہ روز روشن کی طرح مقرر ہوگیا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ اور اسوہ بن گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳/سالہ تربیت وہدایات کے بعد آپؐ کے معتمد ترین اصحاب کے پاس ۳۰/سال تک اس ذمہ داری کے رہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اختیار کردہ طریقۂ عمل کے عین مطابق کام انجام پائے اور آئندہ کے لیے نمونہ بنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد ترین خلفاء کے نظام وانصرام کی یہ ۳۰ سال کی مدت ایسی مدت تھی کہ اس کے اختتام پر نظم وانتظام سنبھالنے کا کام نئی نسل تک بتدریج منتقل ہوا جس کو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی نہیں ملی تھی، لیکن عین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اختیار کردہ طریقہ کی طرح تھی، اور یہ دراصل اللہ تعالی کی طرف سے ہی انتظام تھا وہ یہ کہ آپ کی نبوت کے آخری دس سال وحی الہی کی روشنی میں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں، پھر تیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرات کے تحت نمونہ کا نظام اسلامی چلے، اس طرح چالیس سال میں دین اسلام کا نمونہ کا نظام اسلامی سامنے آجائے اور قیامت تک وہ معیاری نمونہ کے طور پر سامنے رہے کیونکہ دین مکمل کردیا گیا اور اسی مکمل دین کو جاری رکھنا ہے، اور قیامت تک انسانوں کی صلاح وفلاح کے لیے وہ بالکل کافی ہے، اس لیے کہ وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے قیامت تک کے لیے دیا ہوا دین ہے، جو انسانوں کے مزاج اور ضرورتوں کو شروع سے آخر تک جاننے والا بلکہ بتانے والا ہے، اسی لحاظ سے اس کو مکمل فرمادیا گیا اور اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمادیا گیا: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" [سورہ حجر: ۹] (بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" [سورہ مائدۃ: ۳] (آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر مکمل کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن حضرات کو یہ سلسلہ چلانا تھا وہ آپ کے اصحاب کی یہی جماعت تھی جس کو صحابۃ الرسول کا نام ملا، اسی

File F:\Graphic1.tif not found.

جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چالس سال تک مثالی نمونہ کے طور پر آسمانی شریعت انسانوں میں نافذ کیا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو اچھی طرح سمجھا تھا، اور وہ اس کے لیے اپنی مرضی اور خواہشات کو مٹا چکے تھے اور اپنے نبی کا آئینہ بن چکے تھے، وہ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ کر سکتے تھے جو اللہ کے رسول کی مرضی کے خلاف ہو، یہ جماعت جماعت صحابہ کہلائی جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ ہوئی۔

رب العالمین کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو عطا کردہ جو شریعت ہے اور زندگی کی صلاح اور فلاح کے لیے جو احکام ہیں وہ ہم کو صحابہ کرام کے توسط سے ہی ملے ہیں، صحابہ کرام کا ایمان وتقوی اتنا عظیم اور محکم تھا کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے اپنے دین کو بے کم وکاست پہونچانے اور کمال دیانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے حضرات صحابہ کو ذریعہ بنایا گیا۔اس طرح شریعت اسلامی اور دین متین جو ہم کو پہونچا اس کی صحت وحقانیت کو اعتبار واعتماد صحابہ کی امانت ودیانت ہی سے حاصل ہوا، اور یہ اعتماد رب العالمین کی طرف سے صحابہ کو کرام کو اس دین متن کے احکام وتفصیلات کو بیان کرنے کے لیے اختیار کرنے سے بنا، اور خاتم الرسل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جماعت کو جو محبت وعقیدت اور وابستگی تھی، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ ان حضرات سے بھی محبت کرنے کو ضروری بنا دیا، اس طرح صحابہ کرام بھی ہمارے مطاع اور مقتدا بنے۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاوی ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاوی ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاوی ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاهلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

File F:\Graphic1.tif not found.

پیام ہجرت

عبرت وبصیرت اور نمونۂ عمل

● ....مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

سنہ ہجری کا آغاز ہجرت کے اس عظیم الشان تاریخی واقعے کی یاد تازہ کرتا ہے، جو تیرہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد، مسلسل اذیتوں، مشقتوں اور ہمت شکن حالات کا مقابلہ کرنے کے بعد پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکے سے مدینے جانے کے لیے تیار ہوئے، اہل مکہ کی عداوت آخری حد تک پہونچ چکی تھی اور وہ کسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے آپ ان کے شر سے بچنے کے لیے پہلے غار ثور میں چند دن قیام فرمایا، اور اسی اثناء میں زاد سفر، سواری اور رہبر کا انتظام بھی فرمالیا، اور ایک دن صبح کو قافلہ ہجرت مدینے کی طرف چل پڑا، اور تاریخ اسلام کے اس ٹھہرے ہوئے سمندر میں طغیانی شروع ہوگئی۔

ماقبل ہجرت کے یہ تیرہ سال اس بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے مستحکم ہونے کے لیے ہزاروں، طوفان، سیلابوں اور طرح طرح کے گردشوں کی ضرورت پڑتی ہے، بنیاد کا پتھر مضبوط کرنے کے لیے وقت اور محنت، قربانی اور تحمل سب کچھ درکار ہوتا ہے، اس لیے جس بنیاد پر وقت و محنت صرف کیے بغیر اور اس پر مصائب کا بوجھ ڈالے بغیر عمارت تعمیر کردی جاتی ہے، وہ عموماً معمولی طوفان اور جھٹکوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور کسی ادنیٰ مناسبت سے گر کر منہدم ہوجاتی ہے، یا کم از کم ناقابل رہائش قرار دے دی جاتی ہے۔

ہجرت سے پہلے کی مدت دراصل اسلامی تاریخ کا وہ بنیادی پتھر ہے، جس نے ہزاروں طوفانوں اور زلزلوں اور طرح طرح کے جھٹکوں کو برداشت کرکے اپنا استحکام ثابت کرلیا تھا، اور اس پر ایک شاندار تاریخ کی بلند و بالا عمارت بے خوف وخطر قائم ہوسکتی تھی۔

ماقبل ہجرت کی سختیوں اور ان صبر آزما مصائب کے اندر، جن کو پیغمبر اسلام اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا تھا، ایک ایسی لازوال زندگی اور ایک ایسی شان دار فتح و نصرت مضمر تھی جس کو دنیا نے اسلامی شریعت کے نام سے پہچانا، اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا، اور بے چین و مضطرب دنیا، گم کردہ راہ قوموں کو سکون و ہدایت کی دولت دوام عطا کی، انسانیت کے تن مردہ میں روح پھونکی اور انسانوں کو ایک ایسا قانون فطرت عطا کیا جو ان کے تمام مسائل کا حل تھا، اور جس میں ان کی سعادت و کامرانی کا راز مضمر تھا۔

ہجرت کا واقعہ اس عظیم ترین کامیابی کا اعلان تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عظیم ترین مقصد میں بے شمار خطرات و پریشانیوں کو جھیلنے کے بعد حاصل ہوئی تھی، یہ واقعہ اعلان تھا اس بات کا کہ اسلام غالب ہے اور مسلمان مظفر و منصور ہیں، یہ حق و باطل کی جنگ میں باطل کی شکست اور حق کی کامیابی کا اعلان تھا، یہ کفر و شرک کی پسپائی اور توحید و رسالت کے غلبے کا اعلان تھا، یہ آوازۂ حق کی صداقت اور شیطانی تدابیر کی ناکامی کا اعلان تھا، یہ انسانوں کی سعادت و فلاح اور جادۂ انسانیت سے دور بھاگنے والوں کی شقاوت و بدبختی کا اعلان تھا، ہجرت کا واقعہ راہ خدا میں سب کچھ قربان کردینے اور خدا ہی کے لیے جینے اور مرنے کا اعلان تھا، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ انسان کو خدا کی راہ میں سب کچھ چھوڑ دینے اور سب کچھ نظر انداز کردینے کے بعد سب کچھ مل سکتا ہے، اور اس سے زیادہ مل سکتا ہے جو اس نے چھوڑا یا نظر انداز کیا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ایک مسلمان کے لیے بڑی عبرت و بصیرت کا حامل ہے، یہ کامیابی کا ایک نیا موڑ ہے، یہ پوری انسانیت کے لئے قیامت تک کے لیے امن و سکون اور عیش دوام کا پیغام ہے، ہجرت اخلاص و محبت، قربانی و اطاعت کا وہ معیار ہے، جس کے بغیر زندگی میں کامیابی کی امید کرنا عبث اور سعادت و سکون کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تھی، لیکن مسلمانوں کی ہجرت یہ ہے کہ وہ گناہ و معصیت کی زندگی سے طاعت و بندگی کی طرف ہجرت کریں، وہ نفس اور شیطان کی پیروی چھوڑ کر اللہ و رسول کی پیروی کریں، وہ برائیوں اور بداخلاقیوں کی دنیا سے ہجرت کر کے نیکیوں اور بلند اخلاقی کی دنیا کی طرف آئیں، ان کی ہجرت یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا آبائی وطن ترک کر کے کسی دوسرے شہر کو اپنا وطن بنا لیں، اور اپنے اعزاء واقرباء کو خیر باد کہہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک ہوجائیں، بلکہ ان کی ہجرت یہ ہے کہ وہ خدا کے

دین کو مستحکم بنانے، اس کی شریعت کو نافذ کرنے اور اس کے قانون کو رائج کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دیں، وہ منکر کو ختم کرنے، گناہوں کو نیست و نابود کرنے اور ظلم و ناانصافی کا قلع قمع کرنے کے لیے ہر طرح کی جدو جہد کریں، اور نیکی کو عام کرنے، خدا کی بندگی کو بروئے کار لانے اور عدل و انصاف کو مستحکم کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیوں اور جملہ صلاحیتوں کو صرف کریں۔

ہجرت کا یہی وہ بنیادی مضمون ہے، جس کے لیے یہ تاریخ وجود میں آئی اور اسلام کو فروغ حاصل ہوا، یہی تمام انسانی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اس سے تمام ناقابل تسخیر طاقتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے، جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے، اس مفہوم کو ہم جتنا ہی زیادہ اپنی زندگیوں میں عام کریں گے، اور اجتماعی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں اس کو رہنما بنائیں گے، ہماری پیچیدگیاں دور ہوں گی، ہماری پریشانیوں اور بے اطمینانیوں کا خاتمہ ہوگا۔ اور ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل حل ہوں گے۔

عام طور سے ہم نے ہجرت کو تاریخ اسلام اور دیگر واقعات کی طرح محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھ رکھا ہے، حالاں کہ ہجرت کا واقعہ دراصل اسلام کی کامیابی اور اس کی سربلندی کا راز ہے۔ یہ وہ کلید ہے جس سے حق و انصاف کا قفل کھولا گیا۔ اور انسانوں کے لیے ایک نئی زندگی کی راہ متعین ہوئی اور یہ اعلان ہوا کہ آج خدا کا دین غالب آگیا اور راستے کی ساری تاریکیاں اور دشواریاں دور ہو گئیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ابوجہل و ابولہب کا پرچم کفر و ضلالت سرنگوں ہو گیا۔ توحید و ایمان کے سامنے کفر و شرک کی ساری طاقتیں فنا ہوگئیں، اور آج سے اسلام اور صرف اسلام انسانوں کا دین قرار پایا۔

آج اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی یہ بڑی سعادت ہوگی کہ وہ ہجرت کے واقعے کے ساتھ اس کی تمام خصوصیات کو مستحضر رکھیں، جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اور زندگی کے ہر مرحلے میں اس کو مشعل راہ بنائیں، اور ہجرت کے اس بنیادی مفہوم کو ہر وقت مستحضر رکھیں، تاکہ پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکل سے مشکل تر اوقات میں اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت ان میں موجود رہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کی زندگی ہمہ دم ناموافق حالات کی زد میں ہوتی ہے۔ اگر اس میں یہ خصوصیت نہ ہو اور اس کی نظروں میں وہ اوصاف نہ ہوں جو ہجرت کے اوصاف سمجھے جاتے ہیں، تو وہ بہت جلد حالات کی نامساعدت سے مرعوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے، اور زندگی کو کامیاب بنانے کا جذبہ اس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے۔

سال ہجری کا مبارک آغاز ہم سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ہم سے ہجرت کے اوصاف وخصوصیات کا طالب ہے، موجودہ حالات میں جو ہر ملک کے مسلمانوں کو درپیش ہیں، اس بات کی ضرورت انتہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ہم بار بار سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے رہیں، اور اس میں ہم اپنے لیے عبرت و عمل کے نمونے تلاش کرتے رہیں۔

اس مبارک سیرت کا سب سے روشن، تابناک اور اہم پہلو ہجرت کا واقعہ ہے، جو ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے بالکل کافی اور وہ واقعی نمونۂ عمل اور اسوۂ نبوی ہے۔

☆☆☆☆☆

مکرمین ومحترمین برادران جناب مولانا احمد معاذ رشادی سعودی صاحب

سلمهم الله تعالىٰ ورقاهم وعظم الله أجرهم

جناب مولانا مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب کے فون سے یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ جناب مولانا احمد معاذ صاحب خلف الرشید حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، لله ما أخذ وله ما أعطى و كل شئى عنده بأجل مسمّى و كان أمر الله قدراً مقدوراً.

عنفوان شباب میں ان کے سانحۂ ارتحال نے طبیعت کو بہت متاثر کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی امر حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے، جوان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں فوائد رکھے تھے اس کو انہوں نے حاصل کیے اور اب وہ فوائد حاصل کر رہے ہوں گے جو عالم برزخ سے متعلق ہیں، دین کی خدمت اور علم کی اشاعت، تعلیم وتبلیغ کا عمل ان کو بہت فائدہ پہونچائے گا اور اس کے ساتھ ان کے آباء و اجداد کی نیکیاں اور برکات بھی فائدہ دیں گی۔

بنگلور کے سفروں میں انہیں اپنے والد مرحوم کے مطیع وفرماں بردار سعید فرزند کے طور پر ہم لوگ دیکھتے تھے اور انہوں نے نے اپنے والد کی جگہ بھی اچھی طرح سنبھال لی تھی جس سے ملت کو ان سے اچھی توقعات قائم ہوگئی تھیں، اللہ تعالیٰ ملت کو اور خاص طور پر دار العلوم سبیل الرشاد کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے ساتھ مغفرت ورحمت اور عفو کا خصوصی معاملہ فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

جناب شاہد حسین صاحب بھی تعزیت پیش کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

File F:\Graphic1.tif not found.

مثالی زندگی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں

محبت وفدائیت اور اتباعِ نبویؐ کے محیر العقول نمونے

● ....مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ اور دین کی نصرت میں ان کے غیر معمولی کارناموں اور اسلام کے فروغ کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت اٹھائی اور پھر آپ کے مشن کو جان ودل سے زیادہ عزیز رکھ کر راہ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، گھر بار چھوڑا، جہاد کیا، ہجرت کی اور دنیا میں دین کے پیغام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور قرآن کی آواز کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، عرب سے عجم تک اور جہاں ممکن ہوا وہ وہاں گئے اور جہاں خود نہ پہنچ سکے وہاں تابعین کو بھیجا، کچھ نے جام شہادت نوش کیا، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے، اور دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جاکر اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ثابت کی، اور لوگوں کی تربیت کے ذریعہ ایمان ویقین دلوں میں راسخ کیا، اور ربانیت پیدا کی، صحابہ کرام کا قیامت تک آنے والی نسلوں پر ابدی احسان رہے گا، کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے یہ ایک حقیقت ہے، جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ہم اسلام اور علوم اسلام کی خدمت کرنے والوں کی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ جو اہتمام اور توجہ ہمارے علماء نے علوم اسلامیہ وشرعیہ کے ساتھ کی وہ توجہ تاریخ کے ساتھ نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تاریخی روایات کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ان لوگوں نے اپنے سر لیا جو ثقہ نہیں تھے، اور انہوں نے بے احتیاطی سے یہ کام کیا اور رطب ویابس سب جمع کرلیا جس میں مخالفین اسلام کی صحابہؓ سے متعلق ایسی من گھڑت باتیں بھی آگئیں جو ان کی صحیح تصویر نہیں پیش کرتی ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مستشرقین نے سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور اسلامی تاریخ کے وہ پہلو اجاگر کیے جن سے لوگوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں، اور رائی کو پہاڑ بنانے کا کام کیا، اور ایک خاص فکر سے یہ کام جاری رہا، یورپ کے مصنفین نے بعض عرب ادباء کو اپنے قافلہ میں شامل کرکے اور زیادہ نقصان پہنچا دیا، خاص طور سے ڈاکٹر طہٰ حسین مصری ادیب اس میں نمایاں ہیں جنہوں نے بعض کبار صحابہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا۔

قرآن مجید کی گواہی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے قربانی، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار اور تعاون وہمدردی، زہد وعبادت، تواضع، نماز میں انہماک، توحید کی پختگی، کفر وشرک سے آخری درجہ کی نفرت، اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی طلب، توبہ وانابت، اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کے آگے جان دینے اور سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ، خشیت اور اللہ کا خوف اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ، گناہوں سے اجتناب، طاعات کا شوق اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور جو عہد کرنا اس کو پورا کردکھانا، یہ سب صفات وخصوصیات اور امتیازات اسی قدسی جماعت کے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور ان کے ساتھ جہاد و قربانی کے لیے تیار کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ان کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے، اور ان کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا ہے: ”رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ“. [سورۃ التوبۃ: ۱۰۰]

احادیث نبویؐ میں فضائل صحابہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت اہمیت کا حامل ہے کہ: ”خير الناس قرني ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم“. [بخاری ومسلم]

اور شروع کے صحابہ کا بعد کے صحابہ پر فائق اور زیادہ بلند مقام کے حامل ہونے کے لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ جس میں انہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے بعد ایمان لانے والے صحابی اور شروع میں ایمان لانے والے صحابی کے سلسلہ میں کیا تھا: ”لاتسبوا أصحابي فو الذی نفسي بيده لو أنفق

File F:\Graphic1.tif not found.

أحد كم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه" کہ میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم میں کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرڈالے تو بھی ان کے برابر اور نہ نصف کو پہنچ پائے گا۔ [بخاری ومسلم]

اور ایک حدیث میں اپنے طریقہ کی اتباع کے ساتھ میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی [روایت ترمذی] اور ایک روایت میں صحابہ کو ستاروں کے مانند فرما کر کہا: "أصحابي كالنجوم بأنهم اقتديتم اهتديتم" [جمع الفوائد: ج۲/ص۲۰۱] کہ جس کو ان میں سے نمونہ بناؤ گے کامیاب رہو گے۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ تم میں جس کو آئیڈیل کی تلاش ہو صحابہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئیڈیل بنالے، اور پھر وہ ان کے دلوں کی نیکی، ان کے علم کی گہرائی اور ان کی تصنع وتکلفات سے دوری اور ان کے بہتر حال اور اچھی سیرت وکردار کی تعریف کرتے اور کہا کرتے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا، اقامت دین کے لیے چنا، اور فرماتے کہ ان کی فضیلت ومرتبہ کو سمجھو اور ان کی پیروی کرو۔

درحقیقت صحابہ سب کے سب عادل اور تام الضبط ہیں، شریعت اسلامی کے مرجع ہیں اور تمام کے تمام فقہی مذاہب ومسالک انہی پر منتہی ہوئے ہیں، دین وشریعت میں انہی کا علم سب کے علم کی بنیاد ہے، ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، اور اللہ کی رضا کا سبب اور آخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے، یہ رجال ہیں، لیکن ہماری اور آپ کی طرح نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، وحی نازل ہوتی تھی، اس کا پس منظر ان کے سامنے ہوتا تھا، وحی کو یہ لکھنے والے ہوتے تھے، اور پھر اللہ نے قرآن مجید کے جمع وتدوین کا کام اسی قدسی جماعت سے لیا، عام امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی واسطہ ہیں، ان کو الگ کردیا جائے تو امت کا سلسلۂ نسب منقطع ہوجائے گا، نہ ہی ان کو الگ کرکے قرآن کو نہ ہی حدیث کو نہ ہی دین وشریعت اور فقہ وتاریخ کو سمجھا جاسکتا ہے، اور علامہ سیوطی کی یہ بات آب زر سے لکھی جانے والی ہے کہ صحابۂ کرام جرح وتعدیل سے اس لئے بھی بالاتر ہیں کہ وہ شریعت کے حامل ہیں، اگر ان کو بھی عدالت میں لایا جائے گا تو شریعت محمدی صرف عہد نبوی تک خاص ہوکر رہ جائے گی، اور زمانی ومکانی دونوں اعتبار سے ایک صدی اور ایک دائرہ خلافت میں محدود رہ جائے گی۔

صحابہ وہ تھے کہ جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنے ایمان ویقین کی بات کہی، اللہ تعالیٰ ان کی بات نقل فرمائی کہ: "رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُّنَادِي لِلإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا" اور ان کا معاملہ یہ ہوا کہ اپنے کو پورے طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردیا، اور اسی طرح حوالہ کردیا کہ جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ، ان کے لیے تکلیف تکلیف نہ رہی، اور جس میں ان کی پہلے خوشی تھی اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشی نہ پائی تو خوشی خوشی اس خوشی کو فنا کردیا، چنانچہ ایمان بالغیب، للّٰہی محبت، نبوی فدائیت، آپسی ایثار و تعاون، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم دلی اور اہل کفر وشرک پر نہایت سخت، آخرت کو پیش نظر رکھنا، لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر اور حرص، کہ کس طرح لوگ سب کے سب ایک اللہ کے ہوکر رہیں، اور اسلام کے سایۂ عدل میں سیر کریں، کس طرح اللہ کا شوق اور جنت کی طلب پیدا ہو جائے، اور اس سے آگے دنیا ومافیہا نگاہوں سے بالکل گر جائے، یہی جذبہ اور حوصلہ تھا کہ جس سے صحابہ کو اپنی محبوب جگہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں رہنے نہ دیا اور وہ دور دور نکل گئے، وطن کو خیر آباد کہا، اور کفر وشرک کی جگہوں میں جاکر ایمان کی عطر بیز ہوا چلائی، توحید وایمان، عبادت وتقوی، اور سنت و طاعت کی حکومتیں قائم ہوئیں، اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلتا چلا گیا، اور جہاں وہ گئے وہاں اسلام اپنی زبان وثقافت کے ساتھ گیا، اور وہ عجمی ملک عربی اسلامی ملک بنا گئے جہاں وہ خود نہیں گئے وہاں اسلام تو پہنچا، لیکن زبان وثقافت نہیں بدلی جس کی وجہ سے مشرکانہ رسوم اور جاہلی عادات وتقالید اپنا اپنا رنگ ظاہر کرتی رہیں۔

محبت وفدائیت کی چند مثالیں

محبت وفدائیت کی مثالیں بہت ہیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی میں جلوہ گر رہیں، خاص طور پر احد کی جنگ میں اس کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جس کی دنیا نظیر نہیں پیش کرسکتی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے سامنے آجاتے تھے کہ دشمن کا تیر ان کو لگتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہتے، حضرت ابو طلحہ انصاری بھی سینہ سپر ہوئے اور دشمنوں پر ایسا وار کرتے کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے، اور بھی صحابہ کی یہی جاں نثاری تھی، انہی صحابہ میں ایک حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

حضرت سعد بن أبی وقاص رسول اللہ صلی اللہ

File F:\Graphic1.tif not found.

علیہ وسلم کے ننھیالی قرابت میں عزیز قریب تھے، اور ماموں ہوتے تھے، اور مستجاب الدعوات تھے، اس کی بڑی وجہ یہ پیش آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر یہ دعا دی: "اللّٰھم استجب لسعد إذا دعاك" (اے اللہ سعد جب تجھ سے کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرما)۔

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیانہ الفاظ پیش کرتے اور اس کے ذریعہ تعلق ومحبت کے دلی الفاظ کا اظہار کرتے، اس کے برعکس معاملہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال کیا اور فرمایا: "یا سعد ارم فداك أبي وأمي" (اے سعد تیر چلائے جا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔

اور یہ دعا بھی کی: "اللّٰھم اشدد رمیته وأجب دعوته" (اے اللہ! اپنے اس بندہ (سعد) کی تیراندازی میں قوت وطاقت پیدا فرما دے، اور اس کی دعائیں قبول فرما)۔

حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ جنریل صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، چنانچہ عراق اور پورا ملک فارس (ایران) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت فتح ہوا، اور ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کا تصور بھی محال تھا، جنگی مہارت اور فنون حربی سے واقفیت اور اقدامی صلاحیت کے باوجود افتراق اور تفرقہ کو بہت ناپسند کرتے، اور مسلمانوں میں تلوار اٹھانے تیر نکالنے پر کسی قیمت میں تیار نہ ہوئے، اسی وجہ سے جب حضرت علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی تو بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کرلی تھی، اور جنگ میں غیر جانبدار رہے، اور آب زر سے لکھی جانے والی بات کہی جو تاریخ میں محفوظ ہوگئی ہے، جو یہ تھی، کہ مجھے ایسی تلوار لاکر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو وہ قتل کردے، اور اگر وہ (وار) مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے۔ [معارف الحدیث: ج ۸/ص ۴۳۶]

اطاعت وانقیاد کے نمونے

اطاعت وانقیاد کے نمونے صحابہ کی سیرت کا ایک بڑا ذخیرہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سے دعوت اسلام کا آغاز کیا اس وقت سے لے کر جب تک صحابہ روئے زمین پر موجود رہے آپ کے حکم ومنشا پر عمل کے لیے بے چین رہے، سخت سے سخت تکلیف دی گئی لیکن آپ کے دائرۂ اطاعت سے باہر آنا لمحہ بھر کے لیے برداشت نہ کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم نے یہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا کہ اب ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہ گئی ہے اور جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی بات کہی تو لمحہ بھر کا بھی ان کو پس وپیش نہ ہوا، بلکہ دیرینہ شوق پورا ہوا۔

اور پھر انہوں نے سفر میں تمام تر راحت پہنچانے کے سامان مہیا کئے، جنگ وقتال کی جو بات آئی تو صحابہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت مقداد نے اطمینان دلایا کہ ہم قوم موسیٰ کی بات آپ سے نہیں کہیں گے کہ: "اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ" اور ہم تو آپ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے دشمنوں کا سمنا کریں گے، اور یہ بات تو قرآن نے صحابہ سے متعلق کہہ دی تھی: "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کہ آپس میں بڑے ہی مہربان ہیں، لیکن جب انہی صحابہ میں سے تین صحابی سے گفتگو اور معاملات سے باقی صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قضیہ کے بعد روک دیا تھا تو سب کے سب حکم پاتے ہی بالکل ایسا دور ہوگئے جیسے ان تینوں سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا، اور پھر ایک مدت گزرنے کے بعد جب تعلقات بحال کرنے کی بات دربار نبوی سے آئی تو ایسا باہم شیر وشکر ہوگئے کہ جیسے کبھی کوئی تلخی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔

عروہ بن مسعود نے اپنی قوم میں جاکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف اس طرح کی تھی: اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی شان وشوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری ومصاحبین اس کا ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں، عروہ بن مسعود کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام کو دیکھا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر لگالیتا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی حکم فرماتے ہیں تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا ہے، وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی پر جاں نثار اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ لڑائی کا خطرہ ہونے لگتا ہے، آپ کلام فرماتے ہیں تو سب ہمہ تن گوش ہوجاتے ہیں، فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا ہے۔ [زاد المعاد: ج ۳/ص ۲۹۳]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ آپ معجزات بھی دکھائیں اور جب جب معجزہ ظاہر ہوا ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں شک وشبہ اور تردد

File F:\Graphic1.tif not found.

نہ رہا، جیسا کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ کفار بڑے خوش ہو رہے تھے کہ اب صحابہ کیا کہیں گے، لیکن ان کے اس جواب نے قریش کو انگشت بدنداں کردیا کہ جب ہم اس پر یقین کر چکے کہ جبرئیل علیہ السلام چند لمحات میں وحی لے کر آسمان سے زمین پر اتر آتے ہیں، اور پھر اوپر چلے جاتے ہیں، تو ہم کیوں اپنے نبی کے اس اعزاز پر یقین نہ کریں جو اللہ نے ان کو ایک ہی رات میں عطا کیا۔

صحابۂ کرامؓ کا امتحان

صحابہ کا سخت ترین آزمائش اور ابتلاء سے مختلف موقعوں پر گزرنا پڑا، خود قرآن مجید نے اجتماعی طور پر ان کے امتحان سے گزرنے اور فائز المرام ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب میں اللہ تعالی نے تذکرہ فرمایا ہے کہ: "هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِيداً". [سورہ أحزاب:۹]

لیکن ان کی استقامت، ثبات قدمی اور غیر متزلزل ایمان ویقین پر اللہ نے جو مدد پہنچائی اس کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس پر صحابہ کو جو مسرت ہوئی اسے بھی اللہ نے بیان فرمایا، ارشاد ربانی ہے: "وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الأَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَاناً وَّتَسْلِيماً"۔

حدیبیہ کا معاملہ بھی غیر معمولی نوعیت کا ہے، صحابہ جو دین اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف صرف حضور کی اطاعت وقیادت میں صلح کے لیے تیار ہوئے، لیکن یہ اطاعت وانقیاد اسلام کے فروغ کے لیے بڑی مؤثر ثابت ہوئی اور اس کثرت سے لوگ ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے جو اب تک کے ۱۸-۱۹ سال کے عرصہ میں نہیں لا سکے تھے۔

اسی طریقہ سے ایک دوسرا بڑا امتحان انصار صحابہ کے لیے اس وقت پیش آیا جب حنین کے مال غنیمت میں قریش کے نومسلم صحابہ کو زیادہ حصہ دیے جانے پر ان کو بے چینی ہوئی، دراصل یہ بے چینی اس لیے ہوئی کہ کہیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کم تو نہیں ہو رہا ہے، اور اس کے نتیجہ میں کچھ باتیں بھی آپس میں انصار کے درمیان ہوئیں، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرما دیا، اور دین کے لیے انصار کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو ان کی صفات یاد دلائیں اور آخر میں یہ فرمایا کہ: "ألا ترضون يا معشر الأنصار أن يذهب الناس بالشاة والبعير وترجعون برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى رحالكم" اور یہ بھی فرمایا کہ: "لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار" اور فرمایا: "الأنصار شعار والناس دثار" پھر دعائیں دیں اور ان کی اولاد اور نسل کو بھی دعا دی، انصار سے برداشت سے باہر ہو گیا، وہ سب کے سب روئے اور اتنا روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں، اور یہ کہنے لگے "رضينا برسول الله قسماً وحظاً"۔

صحابہ کرامؓ کے لیے اطاعت وانقیاد کا امتحان اس وقت بھی کم نہ تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمسن اور غلام زادہ صحابی حضرت اسامہ بن زید کو امیر بنا کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم جیسے حضرات کو بھی ان کے تابع کر دیا، سارے صحابہ نے بسر وچشم امارت تسلیم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال فرمانے کا سانحۂ عظیم پیش آ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے کاموں پر اس کام کو ترجیح دی اور جیش اسامہ کو اسی طرح روانہ کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اعجاز صحابہ کی جماعت ہے، یہ قدسی جماعت اسلام کا معجزہ ہے، اور ساری انسانی خصوصیات اس مجموعہ میں سمٹ کر آ گئی تھیں، ان کی پوری زندگی اللہ کے لئے ہوئی، ان کی دوستی، دشمنی، ان کا سلوک اور ان کا لین دین سب اللہ کے لئے تھا، انبیاء اور رسولوں کے بعد کوئی جماعت اگر سب سے بہتر ہو سکتی ہے تو وہ یہی صحابہ تھے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جنہوں نے اس بڑی تعداد میں حجۃ الوداع میں عرفات میں جمع ہو کر اپنی محبت وفدائیت اور نبوی مشن سے تاحیات درستگی کا یقین دلایا تھا، ایمان ان کے دلوں میں راسخ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب خلفائے راشدین ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے امت کی باگ ڈور سنبھالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ان کے ذریعہ پوری ہوئیں، قیصر وکسری کا راج ختم ہوا، اور اسلام کا روم وایران، مصر وشام میں بول بالا ہوا، اور ملک فتح ہوتے چلے گئے، صحابہ کو اللہ نے فضیلت وتفوق عطا فرمایا، اس میں ان کا قیامت تک کوئی ہمسر نہ ہو سکے گا، جو ان کے اقدامات، فیصلوں پر آج اعتراض کرتا ہے، یا ان کی نیتوں پر شبہ کرتا ہے، تو دراصل اس کو ان کی حسن تربیت پر شبہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کامل اور مؤثر نہیں تو پھر کس کی تربیت اپنا رنگ دکھائے گی؟ صحابہ کرامؓ انسانوں کا عطر اور خلاصہ اور انسانی رفعت وبلندی کی آخری چوٹی پر فائز تھے اور انسانی اخلاق وصفات، عادات و اطوار، محاسن وفضائل اور انسانی شرافت وکرامت میں اس بلند مقام پر فائز تھے جس کو نوع انسانی کے بڑے بڑے عقلاء اپنے تخیل میں نہیں لا سکتے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

امام عبداللہ بن سالم البصری

اوران کا نسخۂ صحیح بخاری

● ....مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

مکہ مکرمہ جو مہبط وحی ہے اور مدینہ منورہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرہ ہے جنہیں حرمین شریفین کہا جاتا ہے، یہ دونوں شہر اسلام کی ابتدائی صدی سے لے کر آج تک مختلف علم وفن اور علم حدیث کا مرکز رہے ہیں، گرچہ اس میں مدوجزر بھی آتا رہا ہے، گیارہویں صدی ہجری جو زوال کی صدی ہے اس میں حرمین شریفین میں کئی بڑے محدثین نظر آتے ہیں، ان میں بہت سی شخصیات ایسی بھی ہیں جنہوں نے حرمین میں مجاور کی حیثیت سے آکر سکونت اختیار کرلی تھی، اس لیے عالم اسلام سے طلبہ وفضلاء کا ایک مجمع ان سے استفادہ کے لیے، اور علم حدیث کے حصول کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوتا رہا، ان علماء میں شیخ عبداللہ بن سالم البصری ہیں جن کی پیدائش ۴؍شعبان ۱۰۴۹ھ مطابق ۱۶۳۸ء مکہ مکرمہ میں ہوئی، ان کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہو سکے، البتہ ان کے والد شیخ سالم جو بڑے عالم تھے بظاہر ان کی زیرنگرانی ان کی تعلیم وتربیت کے مراحل طے ہوئے، انہوں نے اپنی اسانید کو اپنی کتاب "الامـــداد" میں جمع کیا ہے اور اس میں اپنے چوبیس شیوخ کا ذکر فرمایا ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی دیگر علماء سے استفادہ کیا ہو۔

۱۰۷۰ھ میں حافظ امام شمس الدین محمد بن علاء الدین بابلی جو اپنے زمانہ کے زبردست محدث تھے، وہ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، اور دس سال وہاں قیام فرمایا اور حدیث شریف کی مجلس درس کو بھی وہاں قائم فرمایا، امام بصریؒ نے شیخ بابلیؒ سے صحیحین وسنن اور دیگر کتب پڑھ کر اجازت حدیث لی، اس دور میں شیخ بابلی کی ذات گرامی سے علم حدیث کی نشرواشاعت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا، اور اس فن میں تروتازگی پیدا ہوئی، امام بصری کے علاوہ امام نخلی اور عجیمی جو اس زمانہ کے ارکان حدیث میں داخل ہیں یہ سب بابلی کے شاگرد ہیں۔

امام بصریؒ نے بابلیؒ کے علاوہ جن شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، ان میں شیخ علی ابن الجمال المکی، شمس الدین محمد شرنبلانی، اور برہان الدین ابراہیم بن حسن کورانی وغیرہ ہیں، ان کو شیخ عبدالرحمٰن ادریسی سے خرقۂ خلافت ملا، ان کے علاوہ شیخ سعداللہ(۱) لاہوری سلونی ہندی سے ان کو اجازت حدیث وخلافت بھی حاصل ہوئی۔

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی نے امام موصوف کے بارے میں حسب ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں:

الإمام المحدث الحافظ قد اتفقوا علی أنه حافظ البلاد الحجازية، فرماتے ہیں کہ وہ امام، محدث، حافظ تھے علماء کا اتفاق ہے کہ حجاز مقدس کے حافظ حدیث تھے، انہوں نے ان کا ذکر محدث نخلی اور عجیمی کے ساتھ کیا ہے، علی هؤلاء الثلاثة مدار أسانيد الحرمين الشريفين، بل وما والا هما من الأقطار النائية و البلدان الشاسعة، ان تینوں حضرات پر حرمین شریفین کی اسانید کا مدار ہے بلکہ ان کے علاوہ دور ونزدیک ملکوں میں بھی ہے۔

محدث شمس الدین جوہری نے موصوف کو اپنے اجازت نامے میں حسب ذیل الفاظ سے یاد فرمایا ہے: محدث العصر وإمامه، وجهبذه وهمامه، وأمير المؤمنين في الحديث.

ان سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں ان کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ البصری بھی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شیخ ابوطاہر مدنی کردی کے علاوہ جن علماء سے حدیث شریف کی اجازت لی تھی ان میں سالم بن عبداللہ البصری بھی ہیں، یہ اپنے والد شیخ عبداللہ کے انتقال کے بعد اپنے والد کے کتب خانہ کے مالک اور وارث تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ مکرمہ میں وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، ان کے پاس بڑا زبردست کتب خانہ تھا جس سے علماء وطلبہ مستفید ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "الانتباہ" میں تحریر فرمایا ہے:

شیخ عبداللہ بن سالم بصری اپنے زمانہ کے حافظ حدیث تھے، صحاح ستہ کی تصحیح کی تھی اور نسخۂ یونینیہ کی ایک فرع (نقل) تیار کی تھی، جو اصل سے بہتر ہے، مسند احمد کو انہوں نے ایسے وقت میں زندہ کیا جب کہ اس زمانہ میں اس کا کامل نسخہ روئے زمین پر نہیں پایا جاتا تھا، انہوں نے مصر و شام وعراق کے قدیم کتب خانوں سے اس کے اطراف واجزاء کو جمع کیا تھا، اور اس کو سامنے رکھ کر ایک نسخہ تیار کیا، اس کی تصحیح اس طرح کی کہ اسی کو

File F:\Graphic1.tif not found.

اصل بنادیا،صحاح ستہ کی بھی اسی طرح تصحیح کی اوران کواصول بنادیااورنسخۂ یونینیہ کوسامنے رکھ کراس کی فرع (نقل) کواپنے قلم سے لکھااوراس کواصل سے بہتر بنادیا، بخاری شریف کی ایک شرح لکھنا شروع کی تھی جس کانام "ضیاء الساری" رکھا تھا،افسوس کہ ضعف وپیری کی بناپرمکمل نہ کرسکے۔

شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

ابتدائے عمر سے ان کوعلم وعلماء سے خاص تعلق تھا، صلاح وتقویٰ کی خوبیوں سے آراستہ تھے، روزانہ دس پارے کی تلاوت کرتے، جب بوڑھے ہوگئے توجوممکن ہوتاپڑھتے تھے،یادرس و تدریس یا تلاوت ونماز، یا ضروری باتوں میں مشغول رہتے، دوبار بخاری شریف کوکعبہ شریف کے اندرختم کیا،ایک اس وقت جب کعبہ شریف کی مرمت کی جارہی تھی، دوسری مرتبہ اس وقت جب اس کادروازہ ٹھیک کیاجا رہاتھا۔

مسند احمد کوجمع وتصحیح کے بعد مسجد نبویؐ میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھ کر چھپن (۵۶) دن میں ختم فرمایا تھا،عمر طویل پائی تھی، پوری عمراللہ کی مرضیات میں گذاردی،اخیر عمرتک عقل وحافظہ اورہوش وحواس سب درست تھے،البتہ سماعت میں قدرے کمی آئی تھی۔

علامہ عابدسندھیؒ اپنی کتاب "حصر الشارد" میں فرماتے ہیں:

شیخ علامہ محدث عبداللہ بن سالم بصری تمام علوم شرعیہ وعقلیہ،عالیہ وآلیہ کے جامع ہونے کے ساتھ حدیث میں امام تھے،ان پرحدیث پڑھانے کاغلبہ تھا،اورحدیث شریف کوحاصل کرنے کے لیے ان ہی کارخ کیا جاتاتھا،حدیث کی کتابوں میں ان ہی کے نسخے مرجع واصل قرار پائے،کیوں کہ ان کی تمام ترتوجہ ضبط واتقان اورمعرفت اسماء پر تھی، بخاری شریف کوکعبہ کے اندر دومرتبہ ختم کیا تھا،مسندامام احمد کوروضہ شریف میں بیٹھ کردومرتبہ ختم کیا،ان کے شاگردوں کوشمارنہیں کیاجاسکتا۔

امام عبداللہ بن سالم بصری نے تمام عمرحدیث کی کتابوں کی روایت وقرأت پرختم کردی،خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ اخیر میں حقیقتاًوہ حافظ حدیث تھے۔

۴/شعبان ۱۰۴۹ھ میں طلوع آفتاب کے وقت پیداہوئے اور۴/رجب ۱۱۳۴ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی، جنت المعلیٰ کے غربی گوشہ میں مدفون ہوئے، ان کا مزارمشہور ہے، وفات کے وقت موصوف ۸۴سال کے تھے،ان کے شاگردوں میں شہاب الدین احمد مَلَوی، محمد حیات سندھی، شیخ ابوطاہرکورانی اورصاحبزادے شیخ سالم وغیرہ ہیں۔

ان کی متعدد کتابیں ہیں:

۱-"الإمداد بمعرفة علو الإسناد" یہی اس کا تاریخی نام ہے، یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آبادسے طبع ہوچکی ہے۔

۲-"أوائل الكتب الحديثية" ۔

۳-"ختوم الصحاح الستة و ختم الموطأ"، انہوں نے ختم بخاری ومسلم،ختم ترمذی وختم ابوداؤدوغیرہ پرچھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں، جن کے قلمی نسخے مکتبۂ محمودیہ مدینہ منورہ میں موجود ہیں، ان میں ختم جامع ترمذی وختم ابوداؤد طبع ہوچکے ہیں۔

۴-"ضياء الساري على صحيح البخاري" یہ ثلث کتاب تک پہونچی تھی کہ مؤلف کاانتقال ہوگیا، اس شرح کی بہت سے علماء نے تعریف کی ہے، آزادبلگرامی نے اس کوبے نظیر شرح قرار دیا ہے ، یہ کتاب دار النوادر بیروت سے ۱۸/جلدوں میں کتاب الرہن رقم الحدیث ۳۵۲۷ تک طبع ہوچکی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں نے (الحطہ ص ۱۹۳پر) لکھاہے:

اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، ترکی کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں جس کا فوٹو جامعہ ام القریٰ میں بھی ہے، اس کی نقل ہمارے جامعہ اسلامیہ مظفرپوراعظم گڑھ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے، اس کے چوتھے جزء پرناسخ کی دستخط ہے اورنیچے لکھاہے 'سورت' اس سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ ہندوستان سے ہوکرترکی پہونچا، واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ عبداللہ کا نسخۂ بخاری

شیخ عبداللہ بن سالم بصری نے بخاری شریف کی تصحیح اورنسخوں کے مقارنہ میں بیس سال کی مدت صرف فرمائی، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انسان الحرمین میں تحریرفرمایاہے،انہوں نے نسخۂ یونینیہ جس کوشیخ محدث شرف الدین یونینی نے بہت سے نسخوں سے مقارنہ کرکے تیارکیاتھا،وہ سب سے صحیح نسخۂ بخاری شریف کامانا گیاہے،یہ نسخہ شیخ عبداللہ کوحاصل ہوگیاتھا،انہوں نے یونینیہ نسخہ کوبلکہ بخاری شریف کےاوردوسرے نسخوں کوسامنے رکھ کر بخاری شریف کاسب سے صحیح نسخہ مرتب فرمایا۔

بہت سے لوگوں نے غلط فہمی سے ان کی شرح "ضیاء الساری" اوران کے نسخۂ صحیح میں فرق نہیں کیا لیکن دونوں الگ الگ ہیں،ان کانسخۂ بخاری وہ نسخہ ہے جوانہوں نے نسخۂ یونینیہ اور دیگرنسخوں کوسامنے رکھ کرتیارفرمایاتھا،جس کی دومرتبہ بیت اللہ شریف میں قراءت فرمائی ہے،نسخۂ یونینیہ کوعبداللہ بن سالم کے شیخ محمد بن محمد بن سلیمان رودانی مغربی التوفی

۱۱۷۰ھ کو حرم شریف لے آئے تھے ،شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”حقیقت میں طریقۂ تصحیح کتب نسخۂ یونینیہ اور اس کی معرفت میں انہیں اتقان حاصل تھا ،فقیر نے بھی اس نسخہ کی زیارت کی ہے اور اس میں کچھ پڑھا بھی ہے“ ، بہر حال یہ نسخۂ یونینیہ عبداللہ بن سالم کے پاس پہونچ گیا تھا ،جس سے انہوں نے اپنا نسخہ تیار کیا تھا ،شیخ عبداللہ بن سالم بصری کے نسخہ کے بارے میں سید عبدالحی کتانی ”فہرس الفہارس“ میں لکھتے ہیں: میں نے مدینہ منورہ میں شیخ طاہر سنبل کے پاس عبداللہ بن سالم بصری کے قلم سے لکھا ہوا صحیح بخاری کا نسخہ دیکھا ہے ، جو صحت و مقابلہ اور ضبط کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ نسخہ ہے ،انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ یہ نسخہ میں لے کر آستانہ ترکی حاضر ہوا تھا چنانچہ نسخہ امیریہ (نواب صدیق حسن خاں صاحب کا طبع کرایا ہوا نسخۂ فتح الباری شرح صحیح البخاری کی تصحیح اسی نسخہ سے کی گئی تھی) وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ اس کو شیخ عبداللہ نے اصل یونینیہ سے بہتر بنادیا اور اس پر اضافے کیے۔

۱۳۱۱ھ میں جب سلطان عبدالحمید خاں کو بخاری شریف کے نسخۂ صحیحہ تیار کرانے کا خیال ہوا تو انہوں نے شیخ الازہر کو اس کی تصحیح کا ذمہ دار بنایا ، چنانچہ شیخ الازہر نے علمائے ازہر کی ایک اٹھارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی ، ترکی سے نسخۂ یونینیہ کی اصل کو جامعہ ازہر منگوایا ،بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اصل نہیں تھی بلکہ فرع (نقل) تھی ، اور مکہ مکرمہ سے شیخ عبداللہ بن سالم بصری کے نسخہ کو جامع ازہر منگایا گیا ،اور ان سب کو سامنے رکھ کر جو نسخہ تیار ہوا اور شائع ہوا اس کا نام ہے ”نسخۂ سلطانیہ“ ، یہ ۱۳۱۳ھ میں مطبع کبریٰ امیریہ بولاق سے طبع ہوا ، اس کے بعد مصر سے اشاعت ہوتی رہی اخیر میں ڈاکٹر ناصر (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کے اہتمام کے بعد چار طویل جلدوں میں ۱۴۲۲ھ میں بیروت سے شائع کیا گیا ،علامہ احمد شاکر نے بھی اس نسخہ کی اشاعت کی ہے ،علامہ شاکر کے اہتمام کے بعد یہ نسخہ عالم الکتاب بیروت سے چھپا ،اس کے مقدمہ میں انہوں نے علامہ یونینی اور ان کے نسخہ کا تعارف کراتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: مجھے نسخۂ یونینیہ کی نصف بخاری کی نقل ملی ہے جس کا میں نے نسخۂ سلطانیہ سے مقابلہ کیا تو اندازہ ہوا کہ بہت سے ہوامش نسخۂ سلطانیہ میں رہ گئے ہیں ،لیکن اس پر انہوں نے دلائل نہیں قائم کیے ، مجرد دعویٰ ہے اتنے بڑے کارنامے کو جو نسخۂ سلطانیہ کی صورت میں علمی دنیا میں موجود ہے ، اس سے اختلاف کرنے کو دلائل چاہئیں ، اس لیے بہت سے علماء جن کا حدیث شریف میں اختصاص ہے ان کے ذہنوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے ،اس لیے علامہ شاکر کی بات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن ناچیز کا خیال ہے کہ نسخۂ سلطانیہ ،نسخۂ امام حسن صغانی ،نسخۂ شاہ ولی اللہ اور نسخۂ شاہ محمد اسحاق دہلوی ان سب کے مقارنہ کے بعد یہ ثابت ہوا کہ نسخۂ سلطانیہ سب پر حاوی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس آخری نسخہ سے اس کا مقارنہ کیا گیا تھا ، وہ نسخہ عبداللہ بن سالم بصری کا ہے ،اس میں جا بجا حوالہ ہے فی الفرع المکی کذا ، اس سے مراد ان ہی کا نسخہ ہے ، یہ نسخہ بھی مفقود ہو گیا تھا ،مولانا نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب ”الحطہ“ (ص ۱۷۶) پر تحریر فرمایا ہے کہ: عبداللہ بن سالم کے صاحبزادے سالم ہیں جن سے بھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے روایت حدیث کی ہے ،ان سے ہندوستان کے ایک عالم مدراس کے شیخ اسعد نے خرید لیا تھا ،لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ نسخہ حرمین شریفین میں ہونا چاہیے ، آپ واپس بھیج دیں مگر انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے عشق ہے مگر بعد میں انہوں نے اس کو اورنگ آباد کی لائبریری میں منتقل کر دیا ، پھر وہ وہاں سے لاپتہ ہو گیا ،اس ناچیز کو عرصہ سے اس کی تلاش تھی ، ابوظہبی میں ایک لکچر میں ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس قلمی بخاری شریف کا نسخہ ہے ، جسے انہوں نے قیمتاً حاصل کیا ہے ، مجھ کو انہوں نے ہدیۃً عنایت فرمادیا ،اس کو پڑھنے کے بعد اور شروع اخیر کے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے جو عبداللہ بن سالم بصری کا ہے ، اخیر میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے ۴ر رجب ۱۱۳۴ھ بمکۃ المکرّمہ ، اور دستخط کی ہے جو اس وقت ہماری لائبریری میں منتقل ہو کر آ گیا ہے۔

نوٹ: یونینی سے پہلے بخاری شریف کا ایک نسخہ امام حسن رضی الدین صغانی (ت: ۶۵۰ھ) کا ہے ، جس کے متعلق علامہ کشمیری نے ”فیض الباری“ میں لکھا ہے کہ میری نظر میں یہ بہت اہم نسخہ ہے ، یہ نسخہ دنیا میں ناپید ہے ، الحمدللہ اس کا فوٹو بھی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں آ گیا ہے ، یہ ایک مختصر مضمون ہے ،اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔☆☆

(۱) شیخ سعد اللہ رائے بریلی کے قصبہ سلون کے رہنے والے تھے اور اپنے زمانہ کے بڑے زبردست عالم ربانی تھے ، ہمارے استاذ شاہ حلیم عطا صاحب کا ان سے خاندانی تعلق ہے ، ان کے حالات کے لیے نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ”ابجد العلوم“ (۲۳۹/۳) اور کتانی کی ”فہرس الفہارس“ (۸۶۵/۲) ملاحظہ فرمائیں ،ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۰۸۳ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

اسوۂ حسنینؓ

نوجوانانِ جنت کے سردار

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ یعنی چنے ہوئے تھے ، اللہ نے نبوت کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا تھا، جیسے اللہ نے آپ کو نبوت جیسی عظیم ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور صحبت کے لیے بھی انسانیت کے منتخب اور برگزیدہ اشخاص کا انتخاب ہوا ، اسی لیے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی صحابیت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔‘‘ اختار هم الله لصحبة نبيه ، اسی طرح اللہ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور پاک بیویاں بھی سرد وگرم رفاقت اور امت کے لیے خانگی اور رنجی زندگی کا نمونہ پیش کرنے کے لیے اللہ کی جانب سے منتخب تھیں، ان ہی اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں، اور ان صاحبزادیوں میں آپ کی چہیتی اور چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں، جن کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین جنت کی سردار قرار دیا، اور جن کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی گواہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہؓ سے تھی۔ حضرت فاطمہؓ اپنے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھیں اور آپ پر حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ عہد صحابہ میں بھی شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے۔

حضرت فاطمہؓ کے شوہر چوتھے خلفیہ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتی اعتبار سے قریب ترین تعلق رکھنے کے علاوہ اسلام میں سبقت سے مشرف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ کا حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس کا دوست ہوں ، علی اس کے دوست ہیں ، گویا حضرت علیؓ سے تعلق اور محبت کو اپنی محبت کا معیار بنایا ، اہل سنت والجماعت کے معتبر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ یہودیوں کی سازش میں جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ، اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے ، چنانچہ حضرت علیؓ کے مخالفین کو حدیث میں " فئتہ باغية "(باغی گروہ) قرار دیا گیا ، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پیدا ہوئے جو باحیات رہے ، اور ان ہی دونوں حضرات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانان جنت کا سردار قرار دیا ، یہ روایت اہل سنت کے یہاں کثرت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو پکڑتے ، اور کہتے : اے اللہ ! میں نے ان دونوں سے محبت کرتا ہوں ، آپ بھی ان دونوں سے محبت کیجیے [بخاری: حدیث نمبر ۳۷۴۷] ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو مجھ سے محبت ہوگی ، وہ ان دونوں سے محبت رکھے گا ۔[مجمع الزوائد] اعجیب بات ہے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو جسمانی طور سے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مماثلت تھی ، چنانچہ جب حضرت حسینؓ کی شہادت ہوئی تو صحابہؓ اور صالحین کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا، حضرت ام سلمہؓ کو جب اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع پہنچی ، تو اہل عراق پر لعنت بھیجی ، اور ان کے لیے ہلاکت کی دعاء فرمائی ،[مجمع الزوائد] امام ابراہیم نخعی نے خوب فرمایا کہ: اگر خدا نخواستہ میں قاتلان حسین میں سے ہوتا اور میری مغفرت کردی جاتی ، نیز میں جنت میں داخل کیا جاتا تب بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی ۔[حوالہ سابق]

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کے بغیر کوئی ایسا شخص رہ ہی نہیں سکتا ، جو واقعی مسلمان ہو ، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کوئی درجہ حاصل ہو ، صحابہؓ چونکہ سب سے زیادہ حضور و سے محبت رکھنے والے اور آپ کی نسبت پر وارفتہ تھے ، اس لیے اہل بیت سے ان کو خاص تعلق تھا ، بنی امیہ کا حکمراں مروان ایک بار حضرت ابوہریرہؓ سے کہنے لگا کہ جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے ، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں ، سوائے اس سے کہ آپ حسن و حسینؓ سے محبت رکھتے ہیں ، حضرت ابوہریرہ سمٹ کر بیٹھ گئے ، اور فرما یا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے ، ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنینؓ کے رونے کی آواز

File F:\Graphic1.tif not found.

سنی، حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں، آپ تیز تیز چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو کیا ہوا؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یہ پیاسے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سفر سے پانی کے بارے میں فرمایا تمام ہی لوگ پانی کے برتن کی طرف لپکے، لیکن اتفاق کہ کسی کے پاس پانی موجود نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی زبان مبارک کو چسایا، جب انھیں سکون ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اسی لیے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ [طبرانی] اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ گلشن محمدی صلی اللہ علیہ و سلم کے ان غنچہ ہائے سدا بہار اور گل پائے مشک بار سے کیسی محبت رکھتے تھے کہ حکمرانوں کا خوف بھی اس کے اظہار میں مانع نہ ہوتا تھا۔

لیکن کیا حضرات حسنین سے امت کی یہ محبت اور دربار رسالت مآب میں ان کا یہ درجہ مقام صرف اسی وجہ سے تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے؟ یقیناً یہ نسبت بھی اس محبت میں کار فرما ہے، لیکن اس سے بڑھ کر حضرات حسنین کا اسوہ اور ان کا کردار ہے، جو قیامت تک کے لیے نقش لافانی ہے، حضرت ابو بکرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر اقدس پر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت حسنؓ تھے، آپ ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے، اور ایک دفعہ حضرت حسنؓ کی طرف، اور ارشاد فرماتے۔ میرا یہ بیٹا سید (سردار امت ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے)۔ [بخاری]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہل شام حضرت معاویہؓ کی کمان میں آگے بڑھے، اور ادھر اہل حجاز اور عراق حضرت حسن بن علیؓ کی قیادت میں، عام طور پر صحابہؓ اور اکابر تابعین حضرت حسنؓ کے ساتھ اور ان کے موقف کے مؤید تھے، اور بقول حضرت عمرو بن العاصؓ پہاڑوں کی طرح لشکر جرار حضرت حسن کی رکاب میں تھا، اور یہ ایسے جاں نثار لوگ تھے۔ کہ بہ ظاہر ان کی پشت دکھا کر بھاگنا ہرگز متوقع نہیں تھا، بہ ظاہر حضرت حسنؓ کے غالب آنے کی توقع زیادہ تھی، لیکن جب حضرت معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی، تو حضرت حسنؓ نے اپنے بہت سے رفقاء کی، مخالفت بلکہ ایک گونہ طعن و تشنیع کے باوجود اس پر لبیک کہا، اور اپنا ہاتھ امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دیا، تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو، اور اسلامی دنیا ایک جھنڈے کے نیچے آجائے، اس طرح وہ پیشن گوئی شرمندۂ تعبیر ہوئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سلسلے میں فرمائی تھی، یہ کچھ معمولی قربانی نہیں تھی، اور اس قربانی نے اسلام کی تاریخ میں حضرت حسنؓ کو ایسی عظمت عطاء کی، کہ اگر وہ پورے عالم اسلام کے متفق علیہ تاج دار بن جاتے، تب بھی شاید ان کو یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوتا، اور لوگوں کے قلوب پر ان کی حکمرانی قائم نہ ہوئی ہوتی۔

چنانچہ ایک بار پھر عالم اسلام ایک جھنڈے کے نیچے آگیا، اور ایشیاء افریقہ اور یورپ کے مختلف علاقوں میں مسلمان فاتحانہ پیش قدمی کر نے لگے، اس سے کوئی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا کہ اس میں معاویہؓ کے تدبر سے زیادہ حضرت حسنؓ کے ایثار کا حصہ ہے۔

حضرت حسینؓ کا یزید بن معاویہؓ کے مقابلہ میں کھڑا ہونا اس لیے تھا کہ آپ حکومت کی حرص و طمع رکھتے تھے، حضرت حسینؓ کو خانوادۂ نبویؐ سے نسبت کا جو شرف حاصل تھا، اس پر ہزار حکومتیں قربان اور نچھاور تھیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ اسلام جس دور میں آیا، وہ ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا دور تھا، اس وقت دنیا میں جہاں بھی چھوٹی بڑی حکومت تھی، ان کی اساس خاندانی بادشاہت پر تھی، اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح کی وہیں نظام سیاست کی بھی اصلاح کی، اور خلافت کا تصور دیا۔

خلافت میں دو باتیں اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اس منصب کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جو اخلاق و کردار کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہو، دوسروں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد نے اس کا انتخاب کیا ہو، اسی اصول پر حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب ہوا، پھر حضرت ابو بکرؓ نے اکابر صحابہ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو نامزد فرمایا، حضرت عمرؓ نے چھ رکنی کمیٹی بنادی، اور ان حضرات نے عام مسلمانوں سے مشورہ اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا، پھر حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد اہل مدینہ اور اکابر صحابہؓ نے بہ اصرار حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت علیؓ سے جن صحابہ کو اختلاف تھا، وہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں تھا، ورنہ ان کی لیاقت کے بارے میں کسی کو کلام نہیں تھا اور اس لیے علماء اہل سنت والجماعت............

............بقیہ صفحہ ۲۹ ر پر

File F:\Graphic1.tif not found.

یاد رفتگاں

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

محمود حسن حسنی ندوی

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے صاحبزادہ اور جانشین تھے، مولانا محمد زبیر الحسن بن حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے ماموں اور تعلیم میں کچھ آگے تھے، تربیت وسلوک میں بیعت ایک ساتھ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے ہوئے اور دونوں کو اجازت و خلافت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنی نگرانی میں رکھ کر اور ذکر وشغل کی تعلیم دے کر الگ الگ موقعوں پر دی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

”مولوی محمد طلحہ صاحب سلمہ زوجہ محترمہ ثانیہ سے دوسرے صاحبزادے ہیں، ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸؍مئی ۱۹۴۱ء شنبہ کے روز پیدا ہوئے، اولاً قرآن پاک حفظ کیا جس کا اختتام ۱۶؍رجب ۱۳۷۵ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلس مبارک میں ہوا، ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۵؍دسمبر ۱۹۵۶ء میں سہارنپور میں فارسی تعلیم کا آغاز ہوا، یکم شعبان ۱۳۷۶ھ میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی ابتدائی تعلیم کے لیے نظام الدین گئے، وہاں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے ۱۳۸۱ھ میں واپس سہارنپور آئے اور جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر شرح جامی، ہدایہ اولین، مقامات حریری وغیرہ پڑھیں، دورۂ حدیث ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ کاشف العلوم میں پڑھا، بخاری شریف حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور طحاوی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے، ترمذی و مسلم مولانا عبیداللہ صاحب سے، ابوداؤد شریف مولانا اظہار الحسن صاحب سے پڑھی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت پا کر حضرت رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور پھر اپنے والد ماجد مخدوم الکل کی سرپرستی میں رہ کر ذکر وشغل میں مستعدی کے ساتھ مصروف ہوئے، ماہ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے اجازت بیعت مرحمت فرمائی، حضرت نوراللہ مرقدہ کی وفات کے بعد شوال ۱۴۰۲ھ میں ان کی جگہ جامعہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔

ان پر شروع سے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی خاص نگاہِ شفقت تھی، اور بعض اوقات حضرت نے ان کی خاطر اپنے سفر کا پروگرام ملتوی فرما دیا، اور فرمایا کہ: ”طلحہ نے مجھے روک لیا“۔ ویسے بھی تمام معاصر بزرگوں اور شیخ کے یہاں آنے جانے والے صلحاء، علماء کی ان پر نظر خاص رہی، اللہ تعالیٰ نے ان کو انتظامی صلاحیت، توازن واعتدال، تواضع اور خدمت کا جذبہ، اور اصابت رائے کا جوہر عطا فرمایا، جو ان کی پدری میراث بھی ہے، حضرت شیخ کے سہارنپور میں رمضان گزارنے کے آخر میں وہی بڑے محرک تھے، شیخ سے تعلق رکھنے والوں، اور جن سے شیخ کو تعلق تھا، کے مراتب کو وہ دوسروں سے زیادہ پہچانتے ہیں، اور اسی کے مطابق ان سے معاملہ کرتے ہیں، شیخ نے ان کی خصوصی تربیت فرمائی اور امکانی حد تک ان کے اندر صاحبزادگی اور مخدومیت کی بو نہیں پیدا ہونے دی، اسی لیے ان کے دوروں اور شیخ کے اہل تعلق میں جانے کو ہمیشہ ناپسند کرتے رہے، اور وہ خود بھی اس سے محترز رہے، شیخ کے آخری زمانۂ قیام مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مع والدہ صاحبہ کے ان کو حضرت شیخ کے پاس پہنچا دیا، اور ان کو خدمت کا پورا موقع دیا، شیخ کی وفات پر انہوں نے اسی صبر وتحمل اور وقار وسکینت کا مظاہرہ کیا اور دوسروں کے لیے باعث تقویت و تسلی بنے، جیسے خود حضرت شیخ اپنی زندگی میں تعزیت کرنے والوں کے لیے بن جاتے تھے۔

أطال الله حياته ونفع به المسلمين.

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مرحوم کی شخصیت وصفات پر جو تاثر مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنی کتاب "مذکّراتی" (عربی) کے پہلے حصہ (از ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء) میں ظاہر کیا جو ۱۹۷۳ء کے عرصہ میں سہارن پور حاضری کے موقعہ کے ہیں، وہ بھی ملاحظہ ہوں، وہ لکھتے ہیں:

”شیخ جلیل مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ نے اپنے شفقت ناموں سے سرفراز کیا، وہ صاحبِ سیرت وکردار، نرم خو، کریم النفس بزرگ ہیں، اللہ نے انھیں صورت وسیرت کا جامع بنایا ہے، میں نے ایسا با اخلاق، کریم النفس، مہمان نواز نہیں دیکھا، اور نہ اپنے باپ کا ایسا فرماں بردار فرزند دیکھا، اور نہ ہی وعظ وبیان میں ایسا رونے والا، اور ہنسی کے واقعہ پر ہنسنے والا دیکھا، اپنے وطن سہارنپور کی دعوت دی مگر اب تک حاضری سے محروم رہا، اللہ جلدی یہ مبارک موقع عطا فرمائے“۔

ایک دوسری مناسبت سے ان کے بعض

File F:\Graphic1.tif not found.

اوصاف کو یوں بیان کرتے ہیں:

''میری خواہش تھی کہ اس بار سہارنپور حاضری دوں، جہاں میرے شیخ محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا قیام رہتا ہے، البتہ ان دنوں وہ مدینہ منورہ علی صاحبہا الف صلوۃ وسلام میں مقیم ہیں اور ان کے جانشین وولی امران کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ ہیں، ضبط نفس، قوت روح اوراخلاص وللّٰہیت کا جوہر رکھتے ہیں، اور ایسی شخصیت کے طور پر نظر آتے ہیں جن کی نظیر نہیں نظر آتی۔

ان کی پہلی خصوصیت ان کی رہن سہن اور پوشاک میں سادگی ہے، پہلی بار انھیں ایک کالی کملی میں دیکھا تھا، موٹا جوٹا لباس زیب تن تھا اور عام طور پر یہی ان کی پوشاک ہے جب کہ وہ اسی مرجع خلائق شخصیت کے فرزند ہیں جن کے قدموں پر ہدایا وتحائف نچھاور ہیں اور لوگ ان کے دیدار کے لیے ٹوٹے پڑرہے ہیں جیسے پروانے روشنی پر آتے ہیں، ان کے والد ایسی بزرگ ہستی ہیں جن کو اللہ نے قبول عام عطا کیا ہے اور ان کی محبت عام کردی ہے۔

دوسری خصوصیت ہر آنے والے سے بشاشت قلب اور خندہ پیشانی سے ملنا ہے، ان کو دیکھیں گے تو مسکراتے دیکھیں گے ، اس خوش مزاجی کے وصف کے ساتھ خوب رونے والے ہیں، بڑے چھوٹے سبھی کے ساتھ محبت واخوت کا معاملہ رکھتے ہیں، جو انھیں چاہے اور نہ چاہے دونوں سے اپنائیت وتعلق کا معاملہ کرتے ہیں۔

تیسری خصوصیت ان کا جہاد نفس اور مجاہدہ و ریاضت ہے، ان کے والد ان کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتے ہیں، ان کے پاس آتے جاتے دوڑتے بھاگتے ہی دیکھے جاتے ہیں، ایک آواز میں ایسا دوڑتے ہیں کہ کتنی جلد پہونچ جائیں، بڑے مطیع وفرماں بردار، محبت سے بڑھ کر عاشقانہ انداز، ایک بیٹے کو جو محبت باپ سے ہوتی ہے اس سے زیادہ محبت واظہار تعلق''۔

استاد محترم نے حضرت مولانا طلحہ کے اپنے والد محترم کے لیے والہانہ تعلق ومحبت کا تذکرہ کیا ہے، اس کا راقم کو خود تجربہ ہے، ایک موقع کی بات ہے ان کے برادرِ نسبتی مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کے مکان پر دسترخوان پر ان کے سامنے استاد محترم اور راقم موجود تھا، حضرت مولانا محمد طلحہ مرحوم نے فرمایا کہ: حضرت شیخ کی ایسی یاد آتی ہے کہ برداشت سے باہر ہوجاتا ہے۔

اور ایک واقعہ کا ذکر بھی جس کا تعلق شفقت و محبت سے ہے، کیے دیتا ہوں جس کا ظہور ایک لطیفہ کے طور پر اس طرح ہوا کہ میرے دل میں خیال آیا حضرت شیخ محبت میں اپنے خاص اہلِ تعلق کو لقمہ منھ میں ڈال کر اظہارِ محبت فرماتے تھے، مولانا طلحہ صاحب مدظلہ کے قلب پر اس کا اثر ہوا، وہ مسکرائے ، اور ایک لقمہ استاد محترم کے منھ میں اور ایک راقم الحروف کے منھ میں ڈالا۔

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مرحوم زہد وسخا، یقین وتوکل، مہمان نوازی، کثرت ذکر، سوز عشق، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قناعت و سادگی، رمضان المبارک کے غیر معمولی اہتمام، پورے ماہ کے اعتکاف ، دعا، نماز، تلاوت اور مذاکرۂ دینی کے ساتھ شب بیداری اور ان معمولات کا مکمل احیاء جو ان کے والد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے تھے اور حج کے موقع پر بے تابانہ بیت اللہ شریف اور دربارِ نبوت کی حاضری اور دینی واصلاحی وتبلیغی اور سوانح کتابوں کی اشاعت کا غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں مستقل قیام کے حالات سازگار تھے لیکن ارشاد وتربیت اور نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی فکر نے ان کو ہندوستان کے قیام پر مجبور کیا، اور ان کی بڑی فکر جگہ جگہ دینی مکاتب کا قیام اور شرک ومعصیت کی ظلمت کو مٹانے کے لیے ذکر کے حلقے قائم کرنے کی فکر تھی۔

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ کو ان کے والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی وفات کے بعد جو مدینہ منورہ میں پیش آئی تھی، یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مدینہ منورہ کا ہی قیام اختیار کرلیں، اور خود ان کی اندر کی خواہش بھی یہ تھی مگر دین کے خاطر آنے والے مہمانوں کے لیے انہوں نے سہارن پور کا قیام اختیار کیا اور اپنی آبائی منزل ''کچا گھر'' جو ان کے دادا حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی قیام گاہ تھا، اور حضرت شیخ نے جوں کا توں اس کو باقی رکھا تھا، مہمانوں کی کثرت کے باعث مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ نے آس پڑوس کا کچھ حصہ خرید کر اس کو تھوڑی وسعت دی مگر سادگی اسی طرح باقی رکھی، اور اسی منزل سے وہ منزل آخرت کے مسافر ہوئے، ان کی علالت کا سلسلہ ادھر کئی سالوں سے تھا، پھر ان کی اہلیہ کی علالت کا سلسلہ بھی ادھر چند سالوں سے ایسا تھا کہ موت و زیست کی کشمکش والی بات تھی، اور وہ ان کی بڑی معاون تھیں اور حج کے سفروں میں ساتھ رہتی تھیں، حج کے سفروں کا سلسلہ ہر سال کا ہی تھا، اور اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آتا تھا، جس سے مدینہ پاک کا قیام ذرا طویل ہوتا، توکل و دریادلی ایسی تھی کہ کل کا پتہ نہیں کچھ رہے گا یا نہیں، آج ہی سب خرچ کردیا، مکہ سے مدینہ کے مسافر یا مدینہ پاک سے مکہ

File F:\Graphic1.tif not found.

مکرمہ کے مسافر کو دو سو ریال عنایت فرماتے، زیادہ مسافر ہوتے تو اس سے زیادہ اور یہ تاکید کرتے کہ راستہ میں مستورہ میں مچھلی ہماری طرف سے ہوگی، باقی طرح طرح کی ضیافت کے طریقے وہ اختیار کرکے ضیوف الرحمٰن کی ضیافت کا عمل خود بھی اختیار کرتے، باقی کس شوق وذوق، عشق ومستی کی کیفیت سے وہ حرمین شریفین کا قیام اختیار کرتے، یہ ہر کسی کے فہم سے بالاتر چیز تھی، لکھنے کی باتیں ہزار ہیں، لکھنے والے لکھیں گے، وہ درحقیقت یادگار سلف اور نعم الخلف تھے، تقویٰ وللّٰہیت کی علامت تھے، روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وفات کا دن بھی خوب ملا، دس ذی الحجہ کا دن تھا اور رات کو ہی تدفین عمل میں آگئی، اپنے دادا حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے پہلو میں شاہ کمال قبرستان سہارن پور میں مدفون ہوئے، جہاں قریب ہی ان کے ۶۰ سالہ رفیق حضرت مولانا محمد یونس جونپوری نور اللہ مرقدہ دو سال قبل سپرد خاک ہوئے تھے، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ان کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی جو نسبت حاصل تھی، اس کے حصول کے لیے نامور اہل فضل وکمال ان سے وابستہ ہوئے، جب کہ عوام بڑی تعداد میں ان سے جڑے ہوئے تھے، ان کے خلفاء میں چند اہم نام یہ ہیں: مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، بھائی خالد منیار، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا احمد لاٹ ندوی، مولانا عبد العلیم فاروقی، مفتی سید سلمان منصور پوری، اور جانشین مولانا سید سلمان مظاہری ناظم مظاہر علوم سہارن پور۔ أطال اللہ بقاءھم ونفع بھم الأمة۔

☆☆☆☆☆

............بقیہ صفحہ ۲۶ کا

......کا اجماع ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت تک وہی خلیفۂ برحق تھے، حضرت حسنؓ نے بھی آپ اپنی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا، بلکہ اس عہد کے اکابر صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تیس سالہ خلافت راشدہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ حضرت حسنؓ کے چھ ماہی عہد خلافت پر مکمل ہوجاتی ہے۔

یزید کی حکمرانی سے ایک نئے طریقہ کا آغاز ہوا کہ بعض ایسے لوگ جو اس سلسلہ میں اسلام کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں تھے، اور ان کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں تھی، انھوں نے حضرت معاویہؓ کو باور کرایا کہ آئندہ کے لیے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا جائے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور اکابر صحابہؓ جو اس وقت موجود تھے، ان کو حکمرانی کے اس نئے طریقہ سے اس قدر اختلاف تھا، جتنا حضرت حسینؓ کو، لیکن بعض صحابہؓ نے فتنہ کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کی، اور بعض نے امت کو اختلاف سے بچانے کے لیے بہ کراہت خاطر اس تجویز کو قبول کرلیا، اب اگر تمام صحابہؓ اس صورت حال پر یہی رویہ اختیار کرتے اور کسی کی طرف سے مزاحمت پیش نہ آتی، تو آئندہ یہ بات سمجھی جاتی کہ اسلام میں خلافت علی منہاج النبوۃ کے ساتھ عہد جاہلیت کی مروجہ ملوکیت کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت حسینؓ نے اس کی مزاحمت کو ضروری سمجھا، یہاں تک کہ اپنے رفقاء اور اہل خاندان کے ساتھ نہایت ہی بے دردی سے شہید کر دیے گئے، اور قاتلان حسین نے جہاں آخرت میں اپنے لیے اللہ کے عذاب اور ابدی خسران کو محفوظ کرلیا وہیں دنیا میں بھی قیامت تک کے لیے اہل ایمان کی نگاہ میں ملعون اور مغضوب قرار پائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسینؓ کی یہ مہم بہ ظاہر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی، لیکن حضرت حسینؓ کو معنوی فتح حاصل ہوئی، چنانچہ امت کے علماء وفقہاء اور ارباب نظر آج اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام جس نظام حکمرانی کا داعی ہے وہ خلافت ہے نہ کہ خاندانی بادشاہت، حالاں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا حصہ اسی بادشاہت کا ہے، لیکن اس کے باوجود آج اسے اسلامی فکر کے خلاف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور کیوں اس رویہ کو قبول نہیں کیا گیا؟ یقیناً اس میں بڑا حصہ حضرت حسینؓ اور آپ کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی مزاحمت اور اسی راہ میں شہادت کا ہے، ورنہ بعد کے لوگ سمجھتے کہ اس مدت پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے۔

پس حضرت حسنؓ کا اسوہ یہ ہے کہ امت کو اختلاف وانتشار سے بچانے کے لیے اپنے اقتدار کی قربانی گوارا کیا جائے، اور ایثار سے کام لیا جائے، اور حضرت حسینؓ کا اسوہ یہ ہے کہ جب دین میں کوئی طاقت کمی بیشی کرنا چاہے اور اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کے درپے ہو تو ایسی حالت میں اٹھ کھڑا ہونا چاہیے، خواہ اس کے لیے اپنی رگ گلو کٹانی پڑے لیکن اور ہر حال میں اللہ کے دین اور شریعت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے، آج کے حالات میں یہ دونوں نمونے امت کے لئے مشعل راہ ہیں، امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے عہدۂ وجاہ کا ایثار، اور دین کی حفاظت وصیانت کے لیے اپنی جان عزیز تک کی قربانی!!

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

تذکیر وارشاد

اپنی زبان کی حفاظت کیجیے!

ابو احمد سکراوی

اس وقت سماج و معاشرہ میں اخلاقی قدریں مٹتی جارہی ہیں، جب کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد و عورت کو اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے اور اچھے اخلاق اپنانے کی تعلیم دی ہے، حسن اخلاق کا ایک اہم ترین پہلو 'زبان کی حفاظت' ہے، اسلام نظام اخلاق میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ زبان کی حفاظت کرنے اور اسے کنٹرول میں رکھنے کی تاکید کی گئی ہے چونکہ زبان کو آزاد چھوڑ دینے سے بہت سی آفتیں ، تباہیاں اور معاشرتی ہلاکت خیزیاں جنم لیتی ہیں ، اسلامی ، اخوت و بھائی چارگی کا جنازہ نکل جاتا ہے، رقابتیں اور دوریاں بڑھنے لگتی ہیں، سماج میں ہر آدمی ایک دوسرے کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے ، بے لگام زبان ہمیشہ شیطان کا آلہ کار بن جاتی ہے اور آدمی نفس کا غلام بن جاتا ہے، پھر کسی کی عزت و آبرو پر کیچڑ اچھالنا، کسی پر طعن و تشنیع کرنا، جھوٹ و افتراء باندھنا، غیبت و چغل خوری کرنا، گالی گلوچ دینا عام سی بات ہو جاتی ہے، اور یہی ہو بھی رہا ہے۔ غیر تو غیر رہے ہم مسلمان کی یہی روش اور عادت بنتی چلی جارہی ہے، جو جتنا بڑا منہ پھٹ ہو اسی قدر دانا و بینا اور عقل مند تصور کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگ سماج میں قد آور اور آؤ بھگت کا حق دار سمجھے جاتے ہیں ہماری نئی نسل کا طرز تکلم اور انداز گفتگو بالکل ہی جداگانہ ہے، آپس میں ماں بہن بیٹی کے مقدس رشتوں کو آڑے ہاتھوں لیے بغیر گفتگو کا آغاز ہی نہیں ہوتا۔ دور حاضر میں انسانی شرافت و نجابت کا معیار ہی بدل گیا ہے لہٰذا جب ایسی بد اخلاقی اور شرعی جرم سماج و معاشرہ میں عام ہو جاتی ہے تو آدمی گناہوں پر جری اور بڑے بڑے کبائر کو حقیر جاننے لگتا ہے ، نتیجتاً اپنے دین و مذہب سے اس قدر دور ہوتا چلا جاتا ہے کہ دینی و اخلاقی باتیں بھی گراں گذرتی ہیں، ہمیں یاد رہنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول کے بتائے گئے حدود اور دائرے ہی میں گذرنی چاہئے اسی میں دین و دنیا کی سعادت مندیوں کا راز پنہا ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اس نعمت کی قدر دانی یہ ہے کہ اسے اللہ کی ذکر و عبادت میں، تسبیح و تہلیل میں تحمید و تقدیس میں تر رکھا جائے ، بھلائی کا حکم اور برائی سے روکا جائے ، اللہ کے دین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں استطاعت بھر کوشش کی جائے ، چرب زبانی ، لا یعنی باتوں اور ایسے اعمال سے بچا جائے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو، تا کہ قیامت کے دن اولین و آخرین کے مجمع میں ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے ، بڑی ہی خسران و ندامت کی گھڑی ہوگی جب ہر آدمی خود ہی حیران و ششدر ہوگا، ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہر چھوٹا بڑا شمار کر رکھا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے۔[الکہف:۴۹]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے : ''انسان منہ سے کوئی لفظ نہیں نکالتا کہ اس کے پاس (رب کے) نگہبان (نوٹ کرنے کے لیے) تیار رہتے ہیں'' [ق:۱۸] ان دونوں فرشتوں کے بارے میں جنہیں 'کراما کاتبین' کہا جاتا ہے، ایک اور جگہ فرمایا:''یقیناً تم پر نگہبان لکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو جانتے ہو''۔[انفطار:۱۲]

اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کو لازم ٹھہرایا ہے آپ کی زندگی ایک مومن کے لے آئینہ ہے، جس کے مطابق ہمیں اپنی زندگی کو ڈھالنا ہے ، عقائد ، عبادات، معاملات، حسن اخلاق اور زندگی کے ہر شعبے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی شہادت عرش والا دیتا ہے: ''اے نبی! بیشک تو عمدہ اخلاق کے بلند رتبے پر فائز ہے''۔[القلم:۴] ایک اور مقام پر فرمایا:''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں او راگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے درگذر کریں''۔[آل عمران:۱۵۹]

ہم اسی نبی کی امت ہیں جس کے اخلاق کریمانہ اور حسن سلوک کا یہ حال ہے۔ آپ نے اپنی امت کو کیسی عمدہ اخلاقی تعلیم سے نوازا ہے: ارشاد مبارک ہے:'' جو شخص اپنے دونوں جبڑوں اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کا حصہ یعنی: زبان اور شرمگاہ: کی حفاظ کی ذمہ داری لے لے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں'' [صحیح بخاری:۶۴۷۴] ہمارے اندر یہ شوق و جذبہ پیدا ہونا چاہیے کہ ہم اس نبوی ضمانت کو قبول کر کے اپنی زبان اور شرمگاہ کی پوری پوری حفاظت کریں تا کہ

File F:\Graphic1.tif not found.

حقیقت میں ہم جنت کے مستحق بن سکیں۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں :اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا لوگ کس وجہ سے سب سے زیادہ جنت میں داخل کیے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تقویٰ اللہ: یعنی اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق کی وجہ سے' پھر پوچھا گیا: لوگ کس وجہ سے کثرت کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ فرمایا: منہ اور شرمگاہ کی (بے اعتدالیوں کی) وجہ سے[سنن ترمذی:۲۰۰۴]

فضول گفتگو سے خاموشی بہر صورت بہتر

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے، ورنہ خاموش رہے''۔[صحیح بخاری:۵۹۹۵] دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پالیا''۔[سنن ترمذی:۲۵۰۱]اس حدیث کو شارحین نے رسول اکرمؐ کے جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے جس میں ہر دانا و بینا شخص کے لیے بڑی عظیم حکمت اور دارین کی کامیابی کا راز مضمر ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:جب گفتگو کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ بات کہنے سے پہلے غور وفکر کرلے اگر وہ بھلائی اور خیر ومصلحت پر مبنی ہو تو بولے اور اگر شک و شبہ والی چیز ہو تو خاموش رہے۔[الاذکار للنووی:۶۷۷]

سیدنا عقبہ بن عامرؓ پوچھتے ہیں:''اللہ کے رسول نجات کیسے مل سکتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو، اپنے گھر کو لازم پکڑو(یعنی فارغ اوقات میں گلی، نکڑ، چوراہوں پر مت گھومتے پھرو) اور اپنے گناہوں پر (تنہائی مین) روؤ''۔[سنن ترمذی: ۲۵۸۶] زبانِ نبوت کے سنہرے تعلیمات کو سامنے رکھے اور اپنے گردوپیش کا جائزہ لیجیے کہ نوجوان طبقہ تو اپنی جگہ رہا، بڑے بوڑھوں تک کے کردار وعمل اور اخلاقی پامالی کو دیکھ کر رونا آتا ہے، جنہیں نیکیوں کی حفاظت اور آخرت کی فکر دامن گیر ہونی چاہیے، وہ نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھ کر دوسروں کی پگڑیاں اچھالتے نظر آتے ہیں اور اگر مسجد سے باہر نکلے تو کہیں نکڑ چوراہے پر یا لب سڑک ہوٹلوں میں یا تالاب کے کنارے گپ شپ کی ایسی داستان ! اللہ کی پناہ !اسی حقیقت کا عکس ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان :''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کثرت سے لوگ غفلت ولا پرواہی کا شکار ہیں، صحت وتندرستی اور فارغ البالی''[صحیح بخاری: ۶۴۱۲] حالانکہ خصوصیت کے ساتھ بچی کھچی ضعیفی کی اس عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے،ارشاد نبویؐ کے مطابق:"لا يزال لسانك رطباً من ذكر الله " [سنن ابن ماجہ ۳۰۶۰،صحیح] برابر اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنی چاہیے۔

زبان کی ہلاکتیں

زبان کی آفتوں اور ہلاکتوں کا سلسلہ بہت دراز ہے اس کی بہت بڑی آفت وتباہی جس کے دام فریب میں ہر عام وخاص مرد وعورت، عالم و جاہل اور نیک وبد گرفتار ہو چکا ہے، وہ ہے زبان کی بیجا آزادی اور اسے شتر بے مہار چھوڑ دینا ہے، ایسا لگتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ کوئی قابل گرفت عمل ہی نہیں ہے، روزمرہ کی زندگی میں غور کیجیے، ہماری یہ زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، نشتر زنی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں جو چاہا کہہ دیا، گالی گلوچ، طعن وتشنیع، جھوٹ وفریب، الزام تراشی و بہتان بازی جسے الفاظ کے معانی ہی بدل کر رہ گئے ہیں گناہ کا کوئی احساس ہی باقی نہ رہا، ہر شخص کی زبان سے اس کے دل کا ترجمان ہوتی ہے جس کا دل گناہوں سے سیاہ ہو چکا ہو، شرک و بدعت اور نفاق کی آماجگاہ بن گیا ہو، ایسے شخص سے شرافت کی امید بہت کم ہوتی ہے، اسی پس منظر میں دل اور زبان کے گہرے رشتے کی نقاب کشائی حدیث نبوی میں کچھ اس طرح سے کی گئی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''آدمی کا ایمان درست نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو جائے اور اس کا دل وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے۔[صحیح ترغیب وترھیب:۲۸۶۵]

ہمارے رب نے اخلاقی فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں ہمیں آگاہی دی ہے: ارشاد باری تعالی ہے :''تمہیں جس کے بارے میں علم نہیں ہے تم اس کے پیچھے نہ پڑو، بے شک! یہ کان یہ آنکھ یہ دل سب اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے''۔[اسراء:۳۶] نبی کریم نے فرمایا:'' بندہ زبان سے کبھی اللہ کی خوشنودی کے ایسے کلمات کہہ دیتا ہے جس کی وہ پرواہ نہیں کرتا (مگر وہ کلمے اللہ کو اس قدر محبوب ہوتے ہیں) کہ جس کے بنا پر اللہ تعالی اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور کبھی بندہ لاپرواہی میں زبان سے ایسے کلمے ادا کر دیتا ہے کہ جس کی بنا پر اللہ تعالی اسے جہنم میں پھینک دیتا ہے''۔[صحیح بخاری:۶۴۷۸]۔

زبان کی آزادی دنیاوی حیثیت سے بھی مہنگی ثابت ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے میٹھی زبان اجنبی شخص کو بھی چائے پلانے پر مجبور کر دیتی ہے دشمن

کا دل جیت لیتی ہے جب کہ بد زبانی اور ترش روئی بظاہر اچھے بھلے آدمی کا وقار مجروح کر دیتی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ زبان درازی انسان کو جوتے کھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اوراخروی ناکامی کی حیثیت سے ایسا آدمی بدترین لوگ میں شمار کیا جاتا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ آدمی اللہ کے نزدیک قدرومنزلت کے اعتبار سے سب سے بدترین انسان ہے جس کی شرانگیزی سے بچنے کے لیے لوگ اسے چھوڑ دیں'' [صحیح بخاری: ۶۰۳۲] یعنی لوگ اس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے کنارہ کشی اختیار کرنے لگیں، آج معاشرہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں، زبان کی ایک بہت بڑی آفت غیبت وچغل خوری ہے۔

غیبت و چغل خوری

حدیث میں غیبت کی تعریف کچھ اس طرح سے بیان کی گئی ہے :ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف بیان فرمائی، اپنے بھائی کا ذکر اس طرح سے کرنا کہ اگر وہ سنے تو ناپسند کرے، پوچھا گیا: کہ جو بات ہم کہہ رہے ہیں وہ کمزوری حقیقت میں اس بھائی کے اندر موجود ہو تب بھی یہ غیبت ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کمی اس میں ہے اس کا ذکر کرنا ہی تو غیبت ہے اور تم نے اگر وہ بات کہی ہے جو اس کے اندر نہیں ہے تو تم نے اپنے بھائی پر بہتان تراشی کی ہے''۔[صحیح مسلم : ۵۲۸۹] لہٰذا کسی کے بارے میں معمولی کلمہ بھی مطلقاً غیبت میں داخل اور حرام فعل ہے، کسی شخص کی ذات کے بارے میں ذکر کیا جائے یا اس کے اخلاق وکردار، دین وایمان، مال واولاد، بیوی بچے، بزنس وتجارت، چال ڈھال خلقی وخلقی اوصاف کے متعلق ذکر کیا جائے اس پر مستزاد یہ کہ ہاتھ، سر، آنکھ، وغیرہ کے اشارے سے کیا جائے یا زبان سے، یہ ساری حرکتیں غیبت میں داخل ہیں ۔ الا یہ کہ اس کا کہنا کسی شرعی حکم اور ضرورت کے مطابق ہو۔

اسی بارے میں ایمان والوں سے اللہ کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! بہت زیادہ بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو، کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے'' [الحجرات :۱۲] ایک مومن کی شان کتنی عظیم ہے، شریعت میں اس کی عزت وآبرو کی عظمت وحرمت کا کس قدر پاس ولحاظ رکھا گیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں :میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ''اے کعبہ! تو کتنا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کس قدر پاکیزہ ہے تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، ایک مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک مرتبہ محترم قرار دیا اور مومن کی حرمت تین حیثیتوں سے بیان فرمائی ہے اس کی جان، اس کا مال، اور اس کے ساتھ برا گمان (یعنی اس کی عزت وآبرو)''۔ [شعب الایمان: ج/۹ص ۱۷۵]

اس حرمت وعظمت کے باوجود جب ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرتا اور شخصیت وذات پر حملہ کرتا ہے تو اس فعل بد کی وجہ سے عنداللہ کس درجے کا مجرم قرار پاتا ہے، اس کی نیکیوں کے ضائع وبرباد ہوجانے کی کتنی قوی امید ہوتی ہے اس قدر شناعت وبدبختی کے باوجود کتنے ایسے لوگ ہیں جو زندہ وباحیات تو اپنی جگہ رہے مردوں تک کی برائی اور غیبت کرنے میں عار نہیں سمجھتے جب کہ مردوں کی عیب جوئی کرنا زندوں کی برائی سے بھی زیادہ بدترین عمل ہے کیوں کہ زندہ شخص سے معافی کی امید ہے بر خلاف مردے سے، مائی عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا کوئی ساتھی انتقال کر جائے تو اسے چھوڑ دو اس کی برائی نہ کرو)۔[سنن ابی داؤد: ۴۸۹۹] ایسے لوگوں کو اپنے اس رب سے ڈرنا چاہیے جو ہمیشہ گھات میں ہے تاریکی وتنہائی میں کیے گئے عمل کا بھی حساب رکھتا ہے ہمارے ہر ہر حرکت وعمل کو دیکھ رہا ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریمؐ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا: ''اے زبان سے ایمان لانے والو! جن کے دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، نہ انہیں عار دلاؤ، نہ ان کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرو (یاد رکھو!) جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت وآبرو کے پیچھے پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس آدمی کے پیچھے پڑتا ہے اور جس کے گھات میں اللہ تعالیٰ ہوتا ہے وہ اسے ذلیل ورسوا کر دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر پناہ لیے ہو''۔[سنن ترمذی: ۲۰۳۲] اللہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کرنے اور اس کے شر وفساد سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے، مولائے کریم ہم سے وہ کام لے جو اس کی رضا کا باعث ہو۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: تلاوتِ قرآن مجید کے درمیان دنیاوی باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر کوئی ایسی فوری ضرورت پیش آگئی ہو کہ بات کئے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو مختصر کرسکتا ہے، مگر جب تلاوت شروع کرے تو أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ضرور پڑھے۔

سوال: ریڈیو وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے جب کہ اس میں جو کچھ سنایا جاتا ہے، اس میں کوئی حرام بات نہ ہو؟

جواب: ریڈیو میں قرآن سے، مفید باتوں سے یا اہم خبروں سے متعلق جو کچھ نشر کیا جاتا ہے، اسے سننے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح قرآن کریم کے متواتر پروگرام یا مفید باتوں اور نصیحتوں اور ایسے ہی دوسرے مفید پروگرام سننے میں بھی کوئی حرج نہیں اور خبروں کا سننا مباح ہے، گانے وغیرہ سننا جائز نہیں۔

سوال: ایک شخص آئے دن بذریعہ ٹرین یا بس سفر کرتا ہے، اکثر دوران سفر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے کبھی قبلہ درست نہیں، رکوع وسجود کے لیے مناسب جگہ نہیں، ایسے حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مذکور شخص منزل مقصود پر پہونچ کر فرض سے سبکدوش ہو خواہ قضا ہی کرنا پڑے؟

جواب: نمازیں دوران سفر از روئے شرع مطلوب ہیں جس حد تک قدرت ہو شرائط نماز اور فرائض نماز پوری کرے، گھر جاکر نمازوں کی قضا کرنے پر عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

سوال: زید کی حالت بہت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے نماز قضاء ہوتی رہتی تھی اب انتقال ہوگیا ہے، زید کی کوئی وصیت قضا نمازوں کے سلسلہ میں نہیں ہے ایسی صورت میں جو نمازیں قضا ہوگئیں ہیں کیا وارثین اسکا فدیہ دے سکتے ہیں؟

جواب: میت کی طرف سے نمازوں کا فدیہ وجوباً نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی طرف سے قضاء کی جائے گی اگر وارثین اپنی طرف سے فدیہ دیدیں تو امید ہے کہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔

سوال: میں مدھیہ پردیش میں رہتا ہوں میرا آبائی وطن اس مقام سے تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر دور ہے ہر مرتبہ بارہ دن کے بعد ایک بار اپنے وطن واپس چلا جاتا ہوں اور وطن میں تین چار دن رہ کر واپس آجاتا ہوں، سال بھر ایسا ہی میرا معمول ہے، ایسی صورت میں مجھے نماز کس طرح ادا کرنی چاہیے، میں کہاں مسافر ہوں اور کہاں مقیم ہوں؟

جواب: آپ اپنے آبائی وطن میں نماز پوری پڑھیں چاہے وہاں آپ صرف ایک دن ہی کے لیے رکیں اور چونکہ مذکورہ مقام پر آپ پندرہ دن سے کم ہی ٹھہرتے ہیں لہٰذا وہاں آپ مسافر ہی رہیں گے اور قصر کریں گے۔

سوال: ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے امام کو سنت پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: امام کو چاہیے کہ ظہر کی سنتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، فرض نماز پڑھانے کیلئے سنتوں کا پڑھنا واجب نہیں ہے، مگر مسنون ضرور ہے۔

سوال: مردوں کی طرح زندوں کے لیے بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: زندوں کیلئے بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

سوال: جب نماز جنازہ میں امام تکبیر کہتا ہے تو بعض لوگ آسمان کی طرف سر اٹھاتے ہیں اور اسکو ضروری سمجھتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جنازہ میں نماز پڑھتے اور پڑھاتے وقت آسمان کی طرف سر نہیں اٹھانا چاہیے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ ایسا نہ کرو کیونکہ ڈر ہے کہ تمہاری نگاہیں اچک لی جائیں۔

سوال: ایک شخص حلال وحرام دونوں قسم کے کاروبار کرتا ہے اور اسکا الگ الگ حساب نہیں رکھتا ہے، لہٰذا اگر وہ دعوت دے تو لوگوں کو اس میں شرکت کرنی چاہیے؟

جواب: مذکورہ صورت میں اگر مذکور شخص کی اکثر آمدنی جائز وحلال ہے تو اس کے یہاں شریک ہو کر کھانا کھاسکتے ہیں، احتیاط کرنا بہتر ہے۔

سوال: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کی صورت اگر یہ ہے کہ وکیل نے جھوٹ اور دھوکہ بازی سے کام نہ لیا ہو بلکہ اپنی بساط بھر اس نے صحیح مقدمہ لیا اور دیانت داری سے وکالت کی تو اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہے، اگر اس نے وکالت میں جھوٹ اور دھوکہ بازی کا سہارا لیا تو اس سے حاصل شدہ رقم یقیناً حرام ہے۔

سوال: ایک شخص قرأت سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے اور حالت رکوع میں قرأت مکمل کرتا ہے کیا یہ درست ہے؟

جواب: نہیں! قرأت کے مکمل ہونے سے پہلے رکوع کرنا اور قرأت کو رکوع میں مکمل کرنا مکروہ ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Graphic1.tif not found.

۱۰؍ستمبر۲۰۱۹ء

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلماء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221

E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

Postal Regd. No:S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UP.URD./2001/6017
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting: 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly
TAMEER–E–HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 56 Issue No.21
10 September 2019

R.K. Clinic Research CENTRE

R. K. CLINIC & RESEARCH CENTRE
Dr. Mohammad Fahad Khan
M.D.

विशेषज्ञ पेट एवं उदर रोग, श्वास एवं चेस्ट रोग, एण्ड्रोक्रायोनोलोजी एवं मधुमेह रोग

24 HOURS EMERGENCY SERVICES AVAILABLE

G-1, Aman Apartments, Chaupatiyan, Opp. Power House, Lucknow
Ph.: 0522-2651950, 9415006983

PAY ONLINE
We accept debit and credit cards from all card associations
VISA Maestro MasterCard NET BANKING
www.tameerehayat.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*,
Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

DSGN. BY: **SAAD HAMDAM** (MALEGAON, M.S.) @9860448783